بجواب رنگیلا رسول

مصنفہ

شیخ الاسلام ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری

۱۸۶۸ء ——— ۱۹۴۸ء

HUDA BOOK DISTRIBUTORS
455, Purani Haveli Hyderabad-2
Ph:4411637, E-mail hada book @ usa Net

ناشر

مکتبة الفہیم

مرزا ہادی پورہ، چوک، مئوناتھ بھنجن، یو۔پی

نام کتاب	: مقدس رسول ﷺ بجواب رنگیلا رسول
نام مؤلف	: شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ
طابع وناشر	: مکتبہ الفہیم مئو
سال اشاعت	: مارچ ۲۰۰۱ء
طباعت	: فوٹو آفسٹ پریس دہلی ۶
قیمت	: 43/00 روپئے

باہتمام

شفیق الرحمٰن - عزیز الرحمٰن

Faheem Book Seller
Mirzahadi Pura Chowk
Mau Nath Bhanjan U.P

فہرس

رسالہ مقدس رسولؐ پر علماء کرام کی رائیں

کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

آریہ سماجی جب کبھی جواب معقول پاتے ہیں تو کہا کرتے ہیں کہ یہ جواب مجیب کی رائے ہے۔ اور علمائے اسلام اس جواب کے قائل نہیں۔ اس لیے جواب ہذا پر علمائے کرام کی تصدیقات بھی لی گئیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

حضرات علمائے دیوبند۔ ضلع سہارن پور

"رنگیلا رسول" چھاپ کر آریہ سماج نے جو نمونہ تہذیب اور آرین راست بیانی کا پیش کیا ہے وہ فی الحقیقت سماجی لٹریچر کی مشہور و معروف خصوصیات دل آزاری، سخت کلامی، دروغ بیانی اور اندھے تعصب کا ایک ایسا مکمل مرقع ہے۔ جس میں سماج کے معلم اول (سوامی دیانند) کی اخلاقی تعلیم کے خدو خال پوری صفائی اور وضاحت سے نظر آ رہے ہیں۔

ایسی گندی اور متعفن تحریر کسی آریہ کی طرف منسوب ہو تو ہمیں کچھ بھی حیرت نہیں ہاں حیرت اگر ہے تو مسلمانوں کے غائیت درجہ کے صبر و تحمل پر کہ آج اپنے پاک رسول کی جناب میں ایسے رکیک اور کمینہ حملے دیکھ کر بھی ان میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ فَیَا لَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا وَکُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا ہ

حق تعالیٰ نیک اجر دے مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری کو جنہوں نے "مقدس رسول" لکھ کر ایسی گندگی کا جواب بڑی پاکیزگی سے ، اندھیرے کا جالے سے اور بد تہذیبی کا نہایت سنجیدگی اور متانت سے دیا اور ثابت کر دیا کہ اس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کی بعثت کی غرض ہی یہ تھی۔ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ

ا؎ میں اس لیے رسول ہو کر آیا ہوں کہ اعلیٰ اخلاق کو مکمل کروں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ (مصنف)

الْاَخلَاقِ لہ۔ اس گئی گزری حالت میں بھی دنیا کے بڑے بڑے مدعیانِ تہذیب سے بڑھ کر مہذب ہیں۔ سچ یہ ہے کہ مولوی صاحب ممدوح نے اپنے مخصوص رنگ اور مختصر جملوں میں رنگیلے مہاشہ کا سارا تار و پود بکھیر دیا ہے اور اپنے قلم کی حرکت سے کذب و دروغ اور تعصب و عناد کے وہ سب غلیظ پردے یکسر چاک کر دیئے ہیں جن کے نیچے رنگیلے مہاشہ نے اس مقدس رسول کی پاک زندگی کو مستور کرنا چاہا تھا۔

خدا تعالےٰ مولوی صاحب کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور ہم کو کام کرنے کی ہمت بخشے۔

جزاہ اللہ عن سائر المسلمین جزاء حسناً و وفقہ و ایانا لما یحب و یرضیٰ

(دستخط علمائے کرام)

(مولانا) شبیر احمد عثمانی (مولانا) سراج احمد (مولانا) حبیب الرحمٰن۔

(از مدرسہ دیوبند)

نوٹ:۔ دس نسخے قیمتاً بھیج دیں۔ (حبیب الرحمٰن)

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب میں نے رسالہ "مقدس رسول" دیکھا متعصب آریہ کے غیر مہذب اعتراضوں کا بڑی تہذیب اور متانت سے جواب دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ آریہ سماج کو ہدایت کرے اور اہل اسلام کو استقامت عنایت فرمائے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کی سعی قابل ثنا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ عنی و عن سائر المسلمین خَیْرَ الجزاء و صلی اللہ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و آلہ و صحبہ اِلیٰ یَوْم الجزاء۔

بندہ مرتضیٰ حسن (از دیوبند)

مولانا اعزاز علی صاحب حامداً و مصلیاً و مسلماً ا ما بعد میں نے رسالہ "مقدس رسول" کو مطالعہ کیا۔ مولانا ثناء اللہ صاحب کے جوابات آریوں کے مقابلہ میں ہمیشہ مسکت ثابت ہوئے

ہیں اور وہ مختصر لفظوں میں بہت سے جوابات بصراحت اور بعض باشارت دیتے ہیں۔ اس میں بھی انہوں نے زمانہ کی جدت اور واقعات کی تحقیق سے کام لیا ہے اور اکثر مواقع پر الزامی جواب دے کر دفاع عن الاسلام کا فریضہ ادا کیا ہے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند عالم اس رسالہ کو مقبول اور اسلام اور اہلِ اسلام کو اس سے مستفیض فرمادے۔ آمین۔

محمد اعزاز علی غفرلہٗ (از مدرسہ دیوبند) ۸ رصفر ۱۳۴۳ھ،

علماء دار الحدیث مدرسہ رحمانیہ دہلی

– اما بعد۔ کسی آریہ نے ایک رسالہ "رنگیلا رسول" لکھا ہے جس میں مسلمانوں کی دل آزاری کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا۔ بخیال اطمینان و تشفی قلوب اہل اسلام مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اس کا جواب دندانِ شکن نہایت نرمی اور مہذبانہ لہجہ سے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جس کا نام "مقدس رسول" ہے۔ میں نے اس رسالہ کو بغور دیکھا، ہر مضمون کا جواب اس کا نہایت سچا اور منصفانہ اور ہر کلام و جملہ محققانہ اور مہذبانہ ہے۔ مجیب کو عقلاً اور عرفاً حق تھا کہ جواب ترکی بہ ترکی اسی لہجہ کے ساتھ دیتے جو رنگیلے مباحثہ نے اختیار کیا ہے مگر بحکم وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔ جو ہمارے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم ہے، نہایت نرمی اور تہذیب کے ساتھ دیا ہے۔ اور ایک لفظ بھی غیر مہذبانہ استعمال نہیں کیا ہے

آفرین باد بریں ہمتِ مردانہ او۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ و رشد واھتدیٰ

دستخط علمائے کرام دہلی

(مولانا) ابو طاہر بہاری۔ (مولانا) احمد مئو ضلع اعظم گڈھ۔ (مولانا) ابو العرفان عبد الرحمٰن (از مدرسہ رحمانیہ دہلی)

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی

میں نے رسالہ مقدس رسول مؤلفہ جناب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اشاعت سے پہلے پڑھا۔ وہ عین ضرورت کے وقت لکھا گیا ہے اور اس میں جس قدر مضامین ہیں وہ سب مدلل اور تحقیق کرنے والے کو مطمئن کرنے والے ہیں۔

مولانا موصوف کی ساری زندگی خدمتِ اسلام میں گذری، دشمنان اسلام کے ہر حملہ کا فوری جواب ان کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔ یہ رسالہ بھی جن غیر مہذب رسائل کے جواب میں ہے، انہوں نے مسلمانوں کو نہایت مشتعل کر رکھا ہے۔

مجھے امید ہے کہ مسلمان اس رسالہ کی کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کریں گے اور میں بھی قیمت معلوم ہونے کے بعد پچاس کاپیاں اس کی خرید کر تقسیم کروں گا انشاء اللہ تعالےٰ۔

حسن نظامی

۱۰ستمبر ۱۹۲۴ء

مولانا عبد الباری صاحب لکھنوی

مولانا المکرم، السلام علیکم۔

میں ابتدا ہی سے آپ کی تصانیف متعلق ردِ آریہ کے مطالعہ سے بہرہ ور ہو رہا ہوں۔ اور اس فرقہ کے حالات کی ہمیشہ آپ ہی کی تحریرات سے مجھے واقفیت ہوتی ہے۔ مجھے آپ کی اس تصنیف "مقدس رسول" سے توقع کے موافق فائدہ ہوا، بہت بامو قع مناسب رسالہ ہے "رنگیلا رسول" رسالہ کا ذکر اول اول میں نے گاندھی صاحب کی زبان سے سنا تھا۔ وہ پنجاب کے ہندوؤں کے رسائل و اخبارات کے زائد شاکی تھے اور ان کی رقعوں کے بھی جو اہل اسلام کی طرف سے تھے۔ شکایت کرتے تھے، مجھے تو یہ خیال تھا کہ جس رسالہ کو گاندھی صاحب نے مسلمانوں کا دل آزار تصور کیا تھا۔ اس کو مسلمان جس حد تک دل آزار سمجھتے وہ کم ہے کہیں اس کا جواب کوئی بجگشت نے دل ترکی بترکی نہ دیں تو تعلیم اسلامی کے منافی ہے ہمارے یہ خیال غلط نکلا اور آپ نے اس خدمت کو انجام دیا جو

حضرات اہل علم کے شایان شان ہے۔ مجھے آپ کے شکریہ کی ضرورت نہیں صرف اس قدر عرض کرنا کافی ہے۔ جزاکم اللہ عنا وعن الاسلام خیر الجزاء۔ والسلام مع الاکرام۔ فقط

فقیر محمد عبدالباری عفا اللہ عنہ۔ ۲ر صفر ۴۳ھ

مولانا حافظ ابراہیم صاحب سیالکوٹی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ امّا بعد!

حال میں آریوں نے ایک کتاب موسومہ "رنگیلا رسول" شائع کی ہے۔ اس کے مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی وعرضی وروحی وکل شئی عندی) کی ذات اقدس کی نسبت بہت نامہذب دریدہ دہنی کی ہے اس کے جواب میں شیر اسلام سرخیل مناظرین زمان، سردار اہل حدیث جناب مولانا المکرم مولوی ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل امرتسری نے یہ کتاب مقدس رسول لکھی ہے۔ جواب کی خوبی، تحریر کی متانت اور بیان کی خوش اسلوبی کی محتاج بیان نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے جناب مولانا صاحب کو اس کی قابلیت خصوصیت سے عطا کی ہے۔ میں تو ان کے اس کتاب کا نام "مقدس رسول" رکھنے ہی پر قربان ہوں۔ خدا تعالیٰ جناب مولانا کو اس کی جزائے خیر دے اور ان کے عمل کو قبول فرمائے، آپ کی عمر و فیض میں ترقی و برکت بخشے اور لوگوں کو اس سے متمتع کرے۔"

(از سیالکوٹ ۱۶ر ستمبر ۲۴ء)

مولانا محمد مبارک حسین صاحب از میرٹھ

آریوں کی طرف سے جو کتاب موسومہ رنگیلا رسول" کے نام سے شائع ہوئی اس کے جواب لکھنے کی طرف میں نے قلم کو متوجہ کیا تھا مگر آج (۱۴ر ستمبر ۱۹۲۴ء) کی ڈاک سے شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ

صاحب کا مرسلہ رسالہ پہنچا، رسالہ دیکھنے کے بعد میں نے خیال تبدیل کر دیا کہ اب ضرورت باقی نہیں رہی۔ مولانا نے جس خوبی سے رسالہ تحریر کیا ہے اور آریہ کے زہریلے اثر اور بے جا حملوں کی جس قابلانہ طرز اور تحقیق تدقیق سے مدافعت کی ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں، میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ مولانا ثناء اللہ صاحب کی عزت کی زندگی میں اضافہ فرما کر اسلام کو ان سے نفع پہنچائے۔ آمین!

خادم العلماء محمد مبارک حسین محمودی مدرس اوّل و ناظم مدرسہ دار العلوم جامع مسجد میرٹھ شہر۔ ۲ ستمبر ۱۹۲۴ء

جناب سید غلام بھیک صاحب ناظم جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ اسلام شہر انبالہ

آریہ سماج کے کارکن اور پرچارک اسلام اہل اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جو زہر اگلتے رہتے ہیں اس کی تازہ مثالوں میں وہ کتاب بھی ہے جس کا نام "رنگیلا رسول" رکھا گیا ہے۔ اور جس کے مصنف کو اپنا نام ظاہر کرنے کی اخلاقی جرأت بھی نہیں ہوئی۔ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری دشتِ مناظرہ کے پرانے سیاح ہیں یہ کب ہو سکتا تھا کہ مولانا اس کتاب کا جواب نہ لکھتے۔ چنانچہ آپ نے اس کا جواب لکھا اور "مقدس رسول" نام رکھا۔ اس جواب میں گمنام و نقاب پوش معترض کے ہتھکنڈوں کی خوب قلعی کھولی گئی ہے اس جواب کا انداز بیان دلچسپ ہے اور چونکہ گمنام معترض کا مقصد عوام الناس کو دھوکا دینا ہے۔ اس واسطے مولانا نے بھی جوابات ایسے لکھے ہیں جو نہایت عام فہم ہیں۔ ایسے زہر کا تریاق ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔

زیادہ نیاز و السلام

(بندہ غلام بھیک نیرنگ از بمبئی، ۸ ستمبر ۱۹۲۴ء)

لہ آپ بھی جواب لکھیئے بلکہ اور علماء بھی لکھیں۔ کیا فکر کہ اسلام کے متعدد جواب نہ ہوئے تھے (مصنف)

مولانا محمد ابوالقاسم سیف محمدی بنارسی

چند دنوں پیشتر ہندو مسلم اتفاق نے وہ شجر باثمر پیدا کیا تھا کہ تعصبات واختلافات کا نام ونشان باقی نہ رہا تھا۔ خدا جانے اس مبارک شجر میں کسی کی نظر بد لگی کہ مشاجرہ شروع ہو گیا اور بقول مہاتما گاندھی "آریہ سماج کی عادت لڑائی و تنگ نظری ہے" آریوں کے پوجنیہ شردھانند جی نے جیل سے باہر آتے ہی شدھی وسنگھٹن کے زہریلے درخت کی آبیاری شروع کی جس نے اتفاق باہمی کے مبارک زمانہ کو خواب وخیال کر دیا اور اس درخت کے کڑوے پھل رسالہ ہائے "رنگیلا رسول" اور "وچیتر جیون" وغیرہ کی شکل میں بازار میں آئے۔ خدا جزائے خیر دے مولانا شیر پنجاب کو کہ انہوں نے سب سے پہلے اس حملہ کا جواب دیا اور کیا خوب جواب دیا۔ ماشاءاللہ مخالفین اسلام کے جواب میں آپ کا ملکہ جواب مسلم ہے اور پھر طرز تحریر نہایت شستہ جس میں سخت کلامی کا شائبہ تک نہیں ہے اور یہ کچھ اسی رسالہ کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی تمامی تالیفات اسی طرح دل آزاری سے پاک ہیں۔

فجزاہ اللہ خیرا۔ ؎

دعائك یا فخر الافاضل واجب علیٰ کل ذی فضل بعصر مظلم

(عاجز محمد ابوالقاسم بنارسی)

مولانا عبدالماجد صاحب قادری بدایونی

رسالہ "مقدس رسول" مصنفہ علامہ ابوالوفا قبل تکمیل صفحہ ۹۶ تک مطبوعہ پڑھا۔ آریوں کے ہفوات پر سکوت بہتر لیکن ان کے ترہات بلاشبہ بعض اوقات وحالات میں لائق جواب وتوضیح، جس سے ان پر اتمام حجت کہ شاید کوئی سعید روح نکلے جو اپنے مزخرفات کی حقیقت جہالت معلوم کر کے حق وصداقت کے قبول کی تڑپ دکھائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔ اور بعض اوقات ناواقفین وغرباۓ مسلمین میں ان کے کسر عجب وتفاخر ناروا کا قلع واستیصال مقصود جس سے اس کا فتنہ مسدود ہو، بناءً علیہ ہندوستان کے مشہور مناظر آریہ علامہ ابوالوفاؔ

امرتسری نے جس سلاست، متانت، توضیح تحقیق سے رسالہ "مقدس رسول" لکھا وہ قابل ستائش ولائق امتنان ہے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء

میرے خیال میں اس کو عوام اور دیہاتی آبادی کے مسلمانوں تک کثرت سے پہنچایا جائے اور اس خدمت اور اشاعت حق کو تمام تبلیغی انجمنیں انجام دیں۔ اور ثواب تبلیغ واشاعت حاصل کریں۔

میں سمجھتا ہوں کہ علاوہ مخالف کے دفع توہمات واعتراضات اور اس پر قوی تر الزامات وایرادات کے یہ رسالہ ازواج مطہرات سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر تاریخ بھی ہے اور تعداد ازدواج کے فلسفۂ جواز کا بہترانموذج (نمونہ) بھی۔ فقط۔ والسلام

(فقیر عبدالماجد القادری البدایونی)

جناب مولانا محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء، دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سید المرسلین والعاقبۃ للمتقین۔ اما بعد!

خاکسار نے کتاب مستطاب "مقدس رسول" کے چند صفحات مطالعہ کیے یہ کتاب جناب فاضل علامہ مولانا المولوی ابوالوفاء محمد ثناء اللہ صاحب امرتسری نے ایک آریہ معاشے کی کتاب "رنگیلا رسول" کے جواب میں لکھ کر نہ صرف قومی اور اسلامی فریضہ ادا کیا ہے۔ بلکہ مسلمانوں پر ایک تازہ احسان کیا ہے۔ مولانا ممدوح نے اس سے پہلے بھی مخالفین اسلام کی بہت سی کتابوں کتابوں کے جواب تحریر فرمائے ہیں جو ملک میں شائع اور مقبول ہو چکے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے مجھے بہت مسرت ہوئی، اول اس لیے کہ جواب نہایت معقول اور مدلل طور پر لکھے گئے ہیں۔ دوم یہ طرز تحریر نہایت ہی مہذب ہے اسلامی اخلاق واسلامی تہذیب کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ سوئم اس لیے کہ ناواقفوں کے لیے دھوکا کھانے کا موقع نہ رہا اور واللہ لا

یلدی الخائنین۔ کا مصداق ہو گیا۔

حضرت حق جل مجدہٗ سے دعا ہے کہ مولانا موصوف کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی مخلصانہ سعی کو مشکور اور کتاب "مقدس رسول" کو مقبول اور مسلمانوں کو اس سے بہرہ ور اور طالبین حق کے لیے اس کو ذریعہ ہدایت بنائے آمین رب العلمین۔

(خاکسار محمد کفایت اللہ غفرلہٗ)

مولانا عبد الشکور صاحب مدیر رسالہ "النجم" لکھنؤ تحریر فرماتے ہیں۔

اس حقیر نے کتاب "مقدس رسول" کو دیکھا آریوں کی طرف سے جو دل خراش کتاب "رنگیلا رسول" شائع ہوئی تھی اور اس میں نہایت غیر مہذب طریقہ سے بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی پر دل آزار حملے کئے گئے تھے۔ کتاب مذکور میں مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب نے اسی کا جواب لکھا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ پر پورا عمل ہوا ہے۔ آریوں کی تلخ کلامی کا جواب شیریں الفاظ میں دیا ہے اور ان کے اعتراضات کے تحقیقی جوابات دینے کے ساتھ الزاماً ان کے مذہب کی حقیقت بھی دکھائی ہے آپ کی کثرت ازواج پر مخالف کی نکتہ چینیوں کا معقول جواب دے کر آپ کے دامن تقدس کا تمام اعتراضات سے پاک ہونا اچھی طرح دکھلایا ہے۔ ان کے جھوٹے حوالہ کتب پر بھی تنقید کی ہے اور سب سے پہلے آریوں کی شرارتوں کا مدلل اور اقراری ثبوت دیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

مولانا حافظ احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند از دہلی لکھتے ہیں:۔

میں نے کتاب مقدس رسول" کا بعض جگہ سے مطالعہ کیا، یہ کتاب "رنگیلے رسول" کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ کتاب کی خوبی محض اتنی ہی بات سے ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس کتاب کو مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری

نے تصنیف کیا ہے۔ مولانا موصوف نے مذاہب باطلہ کے مقابلہ میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ محتاج بیان نہیں، آپ کی ذات گرامی کے ساتھ اس کی نسبت اس امر کے لیے کافی ضمانت ہے کہ یہ کتاب "رنگیلے رسول" کا مکمل جواب ہے۔ آقائے کونین رسول الثقلین علیہ التحیۃ والتسلیم کی مقدس زندگی پر نہایت محققانہ بحث کی ہے "رنگیلا رسول" کے مصنف کی تدلیسات وتلبیسات کا اس خوبی سے انکشاف کیا ہے کہ اس کی خیانت کو بالکل طشت ازبام کر دیا ہے۔

ایک منصف مزاج اور صادق کی نظر میں تمام شکوک وشبہات کے زہریلے جراثیم کے لیے یہ کتاب تریاق اکبر اور اکسیر اعظم ہے مجھے مسلمانوں کے مذہبی جذبہ سے کامل توقع ہے کہ اس کتاب کی اشاعت میں پورا پورا حصہ لیں گے۔ خدا تعالیٰ اس کتاب کو درجۂ قبولیت عطا کرے اور مولانا موصوف کے لیے باقیات الصالحات میں ایک مزید اضافہ فرمائے۔" ھو حسبی ونعم الوکیل۔

مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی نائب ناظم جمیعۃ العلماء ہند فرماتے ہیں۔

ایک مہاشہ جی نے "رنگیلا رسول" کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں ہمارے آقا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اروحنا فداہ) کی پاکیزہ زندگی پر نہایت ناپاک حملے کیے اور تاجدار مدینہ کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کیے۔ جس کو کوئی مسلمان ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور اس کتاب کی حمایت واشاعت میں آریہ پریس نے اپنی پوری قوت صرف کر دی۔

ضرورت تھی کہ ان بے سروپا الزامات کا نہایت سنجیدہ جواب دیا جاتا۔ خدا کا شکر ہے جس نے اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کا اظہار فرمایا۔ اس حتمی ضرورت کو پورا فرمایا۔ اور اس قلم سے جو گویا اسی غرض کے لیے مخلوق ہوا ہے۔ یعنی امام المناظرین مولانا ابوالوفا محمد ثناء اللہ امرتسری سلمہ اللہ نے اس تہذیب سوز رسالہ کا جواب "مقدس رسول" تحریر فرمایا۔ ہم تمام مسلمان اس قلمی جہاد کے لیے مولانا کے شکر گذار ہیں۔

واقعہ تو یوں ہے کہ مولانا موصوف نے "مقدس رسول" تالیف فرما کر چودھویں صدی میں اس فرض کو پورا کیا ہے۔ جس کو عہد نبوت میں شاعر رسول اللہ سید نا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ برسر منبر ہجاء مشرکین کے جواب میں ادا فرمایا کرتے تھے اور جس کے صلہ میں اَجِبْ وَمَعَكَ رُوْحُ الْقُدُسِ کے معزز خطاب سے سرفراز فرمائے جاتے تھے۔

رسالہ "مقدس رسول" کا متین طرز بیان اور مہذب پیرایہ ادا اس پر شاہد ہے کہ فریضہ حسانی کی مماثلت نے مولانا ابو الوفاء کو بھی تائید روح القدس سے ہم آغوش کر دیا۔ اور مولانا اس گستاخ سماجی کو مسکت جواب دینے میں کامیاب ہوئے۔ فللہ الحمد علی ذالک کثیراً کثیراً۔

"مقدس رسول" کا مطالعہ کرنے والوں کو بداہتہً محسوس ہوگا کہ آقائے نامدار سید نا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں اس متعصب مہاشے کی جانب سے جو جو گستاخیاں و بے ادبیاں روا رکھی گئیں ہیں ان کے رفع کرنے اور جواب دینے میں خود سرکار رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر فرمودہ آئین دفاع سے سر مو تجاوز نہیں کیا گیا۔

مجیب نے مقام مناظرہ میں وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کی روشنی کو سامنے رکھا اور جواب دیتے ہوئے لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا کو مشعل راہ قرار دیا۔ در حقیقت "رنگیلا رسول" جیسی ناپاک کتاب کا جواب "مقدس رسول" اپنی گوناگوں خصوصیات کے لحاظ سے باطل پرستوں کے لیے ایک کھلی بصیرت ہے۔ وَلَوْ كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ۔ فَلِلّٰهِ دَرُّ مولف۔ اصاب ماشاء فاجاد وافاد وجزاہ عنا وعن المسلمین خیر الجزاء۔

تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ "مقدس رسول" میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے پاکیزہ حالات پڑھیں۔ میری خواہش ہے کہ ہر ایک مسلم گھر میں کم از

کم ایک ایک نسخہ "مقدس رسول" کا ضرور رہے۔

جس جماعت نے "رنگیلا رسول" جیسی معیار اخلاق سے گری ہوئی کتاب شائع کرکے دنیا کے سامنے دیانتداری متانت کو بے نقاب پیش کیا ہے اس کو بھی چاہیے کہ مقدس رسول کا مطالعہ کرے تاکہ اس کو معلوم ہو سکے کہ خدا کے جس آخری اور برحق رسول کی معصوم زندگی پر انسانیت کو لرزا دینے والے حملے کیے گئے ہیں۔ اس رسول کے ماننے والے چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی باوجود انتہائی اشتعال کے کس طرح اپنے پاک مذہب کی شاندار روایات کو قائم رکھتے ہیں۔

وَحَسْبُكُمْ هٰذَا التَّفَاوُتُ بَيْنَنَا
وَكُلُّ إِنَاءٍ بِالَّذِيْ فِيْهِ يَنْضَحُ

جناب مولوی عبد القیوم صاحب وکیل درجہ اوّل حیدرآباد دکن

رسالہ "مقدس رسول" پہنچا۔ اسی وقت سے میں نے اس کا مطالعہ شروع کیا اور جب تک کہ میں نے اس کو ختم نہیں کیا کوئی کام نہیں کیا۔ ہر ہر فقرہ پر دل آپ کو دعا دیتا ہے۔ قدسی علیہ الرحمۃ کا شعر ہے ؎

روز قیامت ہر کسے در دست گیرد نامہ
من نیز حاضر می شوم تصویر جاناں در بغل

آپ نے حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو تصویر معنوی وظاہری صحیح اس رسالہ میں کھینچی ہے۔ خدا کرے کہ بروز قیامت آپ کے واسطے اس شعر کا مصداق ہو جائے اور آپ کو خدائے تعالیٰ مدارج علیا عطا فرمائے۔

جناب مولوی محمد عثمان صاحب مبلغ انجمن اہلحدیث سکندرآباد دکن

الحمد للہ الرشید الهادی ذی المنۃ الکبریٰ علی العباد
وبعد فاعلم ذٰلک السفر الجلی لابی الوفاء الفاضل الحبر العلی

الناقد المتوقد العریف — الماہر المتجر الظریف

متمسّك بصحیح خیر محمّد — کصنیع فضلاء الزمان مجد

سمّاه تبیانا مقدس رسول — وھذّبه کتھذیب الفحول !

مزّق شرودھا انتکل ممزّق — وحرق ما فی بابه المعلق

للّٰه درّ ابی الوفاء الفاضل — یفصل بین الحق وبین الباطل

ابقاہ ربّ الارض والسماء — مغلاق اھل الشرود الشحناء

تاللہ لم تر مثله العیون — دامت له البرکات والشئون

نثنی علیك الخیر یا مولانا — ونشرك المجھود یا اولنا

ونعوذ باللہ من زمان — لم تکن فی حیّا یا ذا الشان

یا حامد ادع اللہ لابی الوفاء — دام له الثناء بخیر البقاء

زندہ باشی یکصد وسی سال خوش — خضر صورت سید اہلحدیث

جناب مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنت حیدرآباد دکن

"مقدس رسول" کو فقیر نے بالاستیعاب دیکھا۔ آریہ سماج نے "رنگیلا رسول" چھاپ کر جو اپنی تہذیب اخلاق کا نمونہ پیش کیا ہے۔ وہ سماجی لٹریچر کی دل آزاری سخت کلامی کی خصوصیات میں ہے اس سے آریہ کے بانی مبانی (سوامی دیانند) کی اخلاق تعلیم پر دھبہ لگتا ہے۔ یہ فقیر نہیں سمجھتا کہ ان کے پیرو اپنے بانی کی بدنامی کے کیوں درپے ہیں ؎

دشنام بمذہبے کہ جائز باشد
مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

آریہ سماج کی دریدہ دہنی اور سخت کلامی پر اہل اسلام نے جس صبر و سکوت سے کام لیا وہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان "لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق" کی پوری پوری تعمیل کی ہے۔ آپ نے "رنگیلا رسول" کا جواب جس

تہذیب و متانت سے لکھا ہے وہ پیغمبر اسلام کے اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہے آپ نے کذب و دروغ اور تعصب و عناد کے وہ پردے چاک کر دیئے جن کے پیچھے رنگیلے مہاشہ نے مقدس رسولؐ کی پاک اور بے عیب زندگی کو پوشیدہ کرنا چاہا تھا۔ آپ نے واقعات کی تحقیق میں اپنی جس وسیع معلومات سے کام لیا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ یہ آپ ہی کا کام تھا۔ آپ نے اسلام کا وہ فرض ادا کیا ہے جس کی اشد ضرورت تھی۔ بلکہ مسلمانوں پر احسان کیا ہے، جواب کی خوبی، تحریر کی متانت اور بیان کی خوش اسلوبی بیان سے بالا ہے۔ آریہ صاحبوں کے بے جا حملوں کا جس قابلیت سے جواب دیا ہے وہ قابل اطمینان و لائق امتنان ہے۔ جزاک اللہ خیر الجزاء۔ حق تعالیٰ آپ کی اس اسلامی سعی کو مشکور اور کتاب "مقدس رسول" کو مقبول اور اہل اسلام کو اس سے بہرہ ور کرے اور آپ کی عزت و زندگی میں اضافہ کرے۔ آمین!

معزز اسلامی اخباروں کی رائیں "مقدس رسول" پر

معزز روزانہ "زمیندار" لاہور

ابوالوفا مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کو غیر مسلموں کے مذہبی اعتراضات کے دندان شکن اور قاطع جواب دینے میں جو خاص شہرت حاصل ہے وہ محتاج تصریح نہیں بلا خوف تردید یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کے ممدوح نے اس وقت تک عیسائیوں، آریوں اور دوسرے گمراہ فرقوں کے مقابلہ میں دین قیم کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں ان کی سپاس گذاری کے گراں بہا فرض سے ہندوستان کے مسلمان کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ قارئین کرام کو معلوم ہو گا کہ پچھلے دنوں ایک آریہ

مہاشہ نے "رنگیلا رسول" کے نام سے ایک سخت دل آزار کتاب شائع کی تھی جس میں اس کائنات کے بزرگ ترین انسان یعنی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات بابرکات پر نہایت رکیک کمینے اور نامہذب اعتراضات کیے گئے تھے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب نے "مقدس رسول" میں اس کتاب کا نہایت متین، معقول، محققانہ اور قاطع جواب دیا ہے اور سب سے نمایاں اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ زیرِ جواب کتاب کے اندازِ تحریر کی شدید دل آزاری کے باوجود مولانا ممدوح نے جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ کے رشتہ ملکوتیت ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور علمائے کرام دیوبند کے قول کے مطابق "گندگی کا پاکیزگی سے، اندھیرے کا اجالے سے اور بدتمیزی کا سنجیدگی اور متانت" سے جواب دیا ہے۔ "مقدس رسول" ۔ صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن اس اجمال و اختصار کے باوجود ہر اعتراض کی نہایت عمدہ انداز اور دل آویز طریقے سے تردید کی گئی ہے۔ ہماری دلی آرزو ہے کہ اس کتاب کی مسلمانوں میں زیادہ اشاعت ہو تاکہ وہ سماجیوں اور دوسرے مخالف فرقوں کے لغو، بے ہودہ اور غیر معقول اعتراضات کی بے حقیقتی سے پورے طور پر واقف ہو جائیں کتاب کی لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ (۲۲ جنوری ۱۹۲۵ء)

معزز روزانہ "سیاست" لاہور آریہ سماج کے ایک محجوب اور روپوش مناظر نے کتاب "رنگیلا رسول" شائع کر کے جس رنگ میں مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کیا تھا اس کا اندازہ وہی لگا سکتے ہیں۔ جن کو بدقسمتی سے اس کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ اس کے جواب میں فاضلِ اجل رئیس المناظرین، فخر المتکلمین مولانا مولوی ثناء اللہ صاحب شیرِ پنجاب مدیر "اہلحدیث" نے مندرجہ بالا کتاب تحریر فرمائی ہے۔ مولانا کے لیے یہ عجیب سعادت کی بات ہے کہ اگر سوامی دیانند جی بانی آریہ سماج نے اپنی "ستیارتھ پرکاش" میں بقول شریمان لالہ لاجپت رائے "سنی سنائی باتوں پر بھروسہ کر کے اسلام پر ایک صد انسٹھ اعتراضات کیے تو اس کا جواب سب سے

پہلے[1] مولانا ممدوح ہی نے تحریر فرمایا۔ اس کے بعد سابق دھرمپال حال چودھری غازی محمود صاحب بی۔ اے نے اگر ترک اسلام، تخلِ اسلام، تہذیب اسلام وغیرہ کتابیں لکھیں تو ان کے جواب میں بھی سب سے پہلے مولانا ہی نے اشہب قلم کی جولانی دکھائی اس لیے قدرتی بات تھی کہ "رنگیلا رسول" کا جواب بھی سب سے اول آپ ہی تصنیف فرماتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسی کہ توقع تھی۔ آپ نے جواب لکھا کتاب کی عمدگی کی نسبت اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ اس کے مصنف مولانا ثناء اللہ صاحب ہیں۔ ہندستان کے نامور علماء نے اس لاجواب کتاب پر نہایت اچھی تقریظات تحریر فرمائی ہیں۔ علماء و فضلاء جس رسالہ نافعہ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہوں۔ اس کے متعلق ہمارا کچھ تحریر کرنا غالباً گستاخی پر محمول ہوگا۔ ہم ہر اسلامی انجمن سے پُرزور سفارش کرتے ہیں کہ اس مفید کتاب کی حسب توفیق کاپیاں خرید کر تبلیغی حلقوں میں تقسیم کرے۔ علاوہ ازیں ہر خواندہ مسلمان کو چاہیئے کہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرے۔

(۱۱؍اکتوبر ۱۹۲۴ء)

معزز "سلطان الاخبار" بمبئی | "مقدس رسول" اس کے مصنف مولانا ثناء اللہ صاحب مدیر اخبار "اہلحدیث" امرتسر میں۔ یہ کتاب آریوں کی کتاب "رنگیلا رسول" (جس میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین آمیز کلمے استعمال کیے گئے ہیں) کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ واقعی مصنف موصوف نے "رنگیلا رسول" کا جواب نہایت پاکیزگی کے ساتھ دیا ہے۔

(۲۸ صفر ۱۳۴۳ھ ۲۸ ستمبر ۱۹۲۴ء)

معزز "مسلم راجپوت" امرتسر | "رنگیلا رسول" اور "دچتر جیون" آریہ سماج کی تہذیب و اخلاق کا بہترین نمونہ ہیں۔

---

[1] بلکہ کسی اور نے نہیں دیا (مصنف)

ان میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت ناپاک اور ناواجب اور لغو حملے کیے گئے ہیں۔ مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب نے ان دونوں کتابوں کا جواب "مقدس رسولؐ" میں دیا ہے جو حال میں چھپ کر شائع ہوئی ہے۔ مولوی صاحب کو آریوں کے لٹریچر پر کامل عبور ہے۔ اور "رنگیلا رسول" کا جواب انہوں نے دندان شکن واقعات و دلائل سے دیا ہے۔ ہمارے علم میں یہ جواب ہے، جو علمائے ہند کی طرف سے "رنگیلا رسول" کے مؤلف کی شقاوت قلبی کا دیا گیا ہے، اور نہایت مہذب پیرایہ میں دیا گیا ہے۔ کتاب کا حجم ۸۰ صفحہ علاوہ سرورق۔ لکھائی، چھپائی کاغذ دیدہ زیب"

(یکم اکتوبر ۱۹۲۴ء)

معزز "عالمگیر" امرت سر

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فداہ روحی کی نسبت "رنگیلا رسول" (اردو) اور "وچتر جیون" (ناگری) کے مصنف نے جس بد اخلاقی اور یاوہ گوئی کا ثبوت دیا ہے۔ اس نے مسلمانوں کے دلوں کو پاش پاش کر دیا ہے۔ رحمۃ للعالمین کی ذات پر اس قسم کے بے ہودہ الزامات مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کے لیے لگائے ہیں۔ ورنہ رسول مقبولؐ کے اخلاق حسنہ کی ایک دنیا قائل ہے۔ دوست تو دوست دشمنوں تک معترف ہیں کہ آپؐ کی ذات ستودہ صفات مجمع مکارم و محاسن تھی اور آپ کے وجود باجود سے دنیا کی تہذیب و تمدن نے بے حد فیوض حاصل کیے۔ لیکن پنڈت کالی چرن نے آپ کی شان میں جو گستاخانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ امرتسر کے مشہور مناظر مولانا ثناء اللہ صاحب ایڈیٹر "اہل حدیث" نے ہر دو کتب متذکرہ کے جواب میں "مقدس رسول" نامی ایک رسالہ شائع فرمایا ہے۔ جس میں ان تمام اتہامات کا جواب دیا گیا ہے۔ جو پنڈت کالی چرن وغیرہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے ہیں۔ اس میں یہ خصوصیت ہے کہ مولانا موصوف نے پنڈت کالی چرن کی طرح کہیں بھی تہذیب و اخلاق کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ بلکہ ہر پہلو پر دلائل و حقائق کی روشنی میں بحث کی ہے۔ اس رسالہ

کی اشاعت سے مولانا نے جہاں اعتراضات کے پرخچے اڑائے ہیں۔ جو پنڈت کالی چرن وغیرہ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر کیے ہیں وہاں آریہ تہذیب اور اسلامی تہذیب کا عملی مقابلہ کر کے دکھایا ہے اور بے ہودہ لوگوں کا جواب متانت وسنجیدگی سے دے کر آریہ سماج کے سامنے ایک قابلِ اتباع نمونہ پیش کر دیا ہے۔ بہر حال یہ رسالہ محققین کے لیے ایک نہایت مفید تحفہ ہے جو اپنی باطنی خوبیوں کے ساتھ ظاہری حسن سے بھی مالا مال ہے۔

(۱۰ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

معزز روزانہ "وکیل" امرتسر

"مقدس رسول" اس نام کا ایک رسالہ (مولوی فاضل) حضرت مولانا ابوالوفا ثناءاللہ صاحب امرتسری نے آریہ سماجیوں کے رسالہ "رنگیلا رسول" کے جواب میں تصنیف فرمایا ہے۔ آپ کو فن مناظرہ میں یدِ طولیٰ حاصل ہے۔ مخالفین اسلام کا کوئی ایسا حملہ نہیں جس کا جواب مولانا ممدوح کی جانب سے نہ دیا گیا ہو۔ اور جواب بھی بے حد مسکت اور دندان شکن۔ جس قدر "رنگیلا رسول" اشتعال انگیز، فحش اور دائرہ تہذیب سے خارج ہے۔ اسی قدر "مقدس رسول" انتہائی تحمل متانت اور شائستگی کو لیے ہوئے ہے۔ ہم مصورِ فطرت حضرت خواجہ نظامی دہلوی کی رائے سے متفق ہیں کہ مستطیع مسلمانوں کو اس رسالے کی کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کرنی چاہئیں۔ رسالہ معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہری محاسن سے بھی آراستہ ہے یعنی کاغذ لکھائی اور چھپائی کے لحاظ سے بھی کچھ کم قابلِ تحسین نہیں۔

(۲ ستمبر ۱۹۲۴ء)

معزز "وطن" لاہور

"مقدس رسول" مصنفہ مولوی فاضل حضرت مولانا ابوالوفا ثناءاللہ صاحب امرتسری پر بالفاظ ذیل ہم عصر "وکیل" نے جو تبصرہ کیا ہے اس سے "وطن" کو بھی پورا اتفاق ہے۔ یہ رسالہ آریہ سماجیوں کے رسالہ "رنگیلا رسول" کے جواب میں تصنیف کیا گیا ہے۔ آپ کو فن

مناظرہ میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ مخالفین اسلام کا کوئی ایسا حملہ نہیں جس کا جواب مولانا ممدوح کی جانب سے نہ دیا گیا ہو اور جواب بھی بے حد مسکت اور دندان شکن، جس قدر رنگیلا رسول اشتعال انگیز، فحش اور دائرہ تہذیب سے خارج ہے اسی قدر "مقدس رسول" انتہائی تحمل، متانت اور شائستگی کو لیے ہوئے ہے۔
ہم مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کی اس رائے سے متفق ہیں۔ کہ مستطیع مسلمانوں کو اس رسالہ کی کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کرنی چاہئیں۔ رسالہ معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہری محاسن سے بھی آراستہ ہے۔ یعنی کاغذ لکھائی اور چھپائی کے لحاظ سے بھی کچھ کم قابل تحسین نہیں۔

(۱۰ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

معزز "المسلم" بنگلور "مقدس رسول" کا بول بالا۔ وہ جس نے دنیا کی تاریکی مٹائی۔ وہ جس نے بنی آدم کو ابدی عذاب سے نجات دلائی۔

"مقدس رسول" عالی جناب فضیلت و مکرمت انتساب، مولوی فاضل سردار اہل حدیث، علامہ حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری ایڈیٹر اخبار "اہل حدیث" کی جدید تصنیف ہے۔ یہ کتاب آریہ سماجیوں کے پلید رسالہ "رنگیلا رسول" کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ جس کے مصنف نے نہ صرف اپنے نام پر پردہ ڈالنے کی شرمناک جراءت کی ہے۔ بلکہ حضور انور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (روحی فداہ) کے تعدد ازدواج پر اٹکل پچو اعتراضات کرتے ہوئے دل آزاری، بددیانتی اور بدزبانی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔
حضرت مولانا نے جس متانت، لینت اور سنجیدگی سے "رنگیلا رسول" کے پردۂ اکاذیب و اباطیل کو جس کے نیچے اس کے مصنف نے پیغمبر اسلام کی پاک اور آئینے کی مانند چمکنے والی زندگی کو چھپانا چاہا تھا۔ تار تار کیا ہے۔ وہ اسلامی لٹریچر کی خصوصیاتِ نرم کلامی کا بدیہی نمونہ ہے۔ اس کے دیکھنے سے یقیناً آریہ

سماجیوں کی آنکھوں کو تارے دکھائی دیں گے ۔ اور زمین پاؤں کے نیچے سے سرک جائے گی۔ اور پھر وہ کبھی بھی اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ کے بارے میں زہر اُگل کر اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالیں گے۔

اس کتاب میں ام المومنین حضرت زینبؓ کے نکاح کے متعلق تنگ نظر و کوتاہ فہم جماعتوں میں سالہا سال سے جو بے اصل اور بے بنیاد کہانیاں چلی آتی ہیں ان کی لغویت اس طرز سے ثابت کی گئی ہے۔ جس سے بڑھ کر تحقیق و تدقیق کی مثال نہیں مل سکتی، جہاں کہیں حضرت زینبؓ کے نکاح کا ذکر آیا ہے وہاں بڑی بڑی معتبر کتب تواریخ کے حوالے سے دشمنان اسلام کے ہتھکنڈوں کی اچھی طرح قلعی کھولی گئی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آئندہ کسی مخالف کو ایسے پوچ اور لچر اعتراضات کرنے کی جرأت نہ پڑے گی۔ کیونکہ یہ ام المومنین کے سوانح کی ایک بے مثال تاریخ ہے اور دشمنان اسلام کے بے جا حملوں کی تحقیق و تدقیق سے بھری ہوئی مدافعت۔

اس کتاب کے شروع میں ہر فرقہ کے علماء کرام کی تقریظیں درج ہیں۔ تمام کے تمام اس بات پر متفق ہیں کہ ہندوستان کے کل مسلمان، کیا مرد کیا عورت، کیا جوان کیا بوڑھے، سب اس کو نعمت غیر مترقبہ جان کر خریدیں اور پڑھیں۔ اور ہم مصور فطرت حضرت خواجہ نظامی دہلوی کی اس رائے سے متفق ہیں کہ مستطیع مسلمانوں کو اس کتاب کی کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کرنی چاہئیں۔

یہ کتاب معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہر محاسن سے بھی آراستہ ہے یعنی لکھائی چھپائی دیدہ زیب کاغذ اعلیٰ۔

(۲۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

حامی آریہ دھرم پرکاش لاہور | "مقدس رسول" ایک کتاب کا نام ہے جو امرتسر کے مشہور مناظر مولوی ثناء اللہ صاحب نے "رنگیلا رسول" کے جواب میں لکھی ہے۔

ہاں وہی "رنگیلا رسول" جس کے خلاف مسلمان اخبارات نے اس قدر شور مچایا ہے کہ آخر کار گورنمنٹ کو اس کے پبلشر کے خلاف مقدمہ دائر کرنا پڑا۔ ہم مولوی صاحب کی اس تصنیف کا دل سے خیر مقدم کرتے ہیں یہ ہے مذہبی میدان میں جوہر طبیعت دکھانے کا اصلی ڈھنگ۔ یہ ہے اسلام کو دیگر مذاہب کے خلاف سچا ثابت کرنے کا طریقہ۔

(۷ اسوج، ۲۲ ستمبر ۱۹۲۴ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط

دُعا، بدرگاہِ خُدا

اے خدا! اے آسمان وزمین کے مالک! اے خالق ارض وسما! اے ذوالانتقام قدوس خدا! اے سچوں کے حامی اور ناصر غیور خدا! تیرے قابلِ عزت مقدس رسولؐ کی توہین اور سخت ہتک ہو رہی ہے تو اپنی رحمت سے پردہ پوشی کر رہا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ آخر کار تو اپنے پیاروں کی مدد اور عزت ظاہر کرے گا۔ جیسی کہ تو ہمیشہ کرتا آیا ہے اور جیسا تیرا وعدہ ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اے قادر توانا خدا! ہمارا ایمان ہے کہ اصل مدد اور نصرت وہی ہے جو تو کرے گا۔ ہم ناتواں ضعیف البنیان ہیں۔ تو جانتا ہے کہ ہم کمزوروں سے یہی ہو سکتا ہے کہ ہم قلم اٹھا کر (وہ بھی تیری ہی مدد سے) جواب لکھیں (وہ بھی تیرے سمجھانے سے) لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ۔

پس ہماری دُعا ہے کہ اس مقدس کام میں ہماری مدد کر اور اس حقیر کی خدمت کو قبول فرما اور اپنی مخلوق کو اس سے فائدہ پہنچا کر گمراہی سے بچا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ط

داعی خادم دین اللہ۔

ابوالوفا ثناء اللہ، امرتسر

محرم ۱۳۴۳ھ — اگست ۱۹۲۴ء

دیباچہ

پہلے مجھے دیکھئے

آریوں کی دل آزار تحریر و تقریر سن کر لوگ حیران ہیں۔ کہ یہ لوگ مذہبی گفتگو میں کیوں اس قدر تیز مزاجی اور سخت کلامی کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح باپ کا اثر بچے کی جسمانی حالت پر ہوتا ہے۔ اسی طرح استاد، گرو اور پیر کا اثر اخلاق اور روحانیت پر ہوتا ہے۔ سوامی دیانند نے کتاب ستیارتھ پرکاش وغیرہ میں جو روش اختیار کی ہے۔ اس کے تین نمونے ہم بتلاتے ہیں۔ ناظرین خصوصاً غیر جانبدار ناظرین غور سے پڑھیں۔

قرآن مجید کی تردید میں سوامی جی نے اپنی کتاب ستیارتھ میں ایک باب خاص لکھا ہے۔ جس میں بِسْمِ اللّٰہِ سے لے کر وَالنَّاس تک اعتراض کرتے گئے ہیں۔ ان اعتراضوں کے ضمن میں حضور سید الانبیاء علیہ السلام بلکہ خود خدا کا خاص الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

(۱) واہ واہ دیکھو جی مسلمانوں کا خدا شعبدہ بازوں کی طرح کھیل رہا ہے۔

(۲) واہ جی محمد صاحب! آپ نے تو گو کلیے گوسائیوں کی ہمسری کرلی۔

(۳) ثابت ہوتا ہے کہ محمد صاحب بڑے شہوت پرست تھے۔

(معاذ اللہ) ستیارتھ پرکاش باب ۱۴۔ نمبر ۴۲، ۸۶، ۱۲۷)

سوامی جی کی سخت کلامی مسلمہ ہے۔ یہاں تک کہ ان کے سوانح نویس چیلوں کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ ان کی سوانح عمری کلاں کے دیباچہ میں لکھا ہے:۔

ایک روز اشناء دکھیان (تقریر) میں شری سوامی (دیانند) جی مہاراج پورانوں کی اسمبھو (ناممکن) باتوں کا کھنڈن (رد) کرتے کرتے

ان کی اخلاقی تعلیم کا کھنڈن کرنے لگے۔ اس وقت پادری سکاٹ مسٹر ریڈ کلکٹر ضلع اور مسٹر ایڈورڈس صاحب کمشنر قسمت مع پندرہ میں انگریز صاحبان رونق افروز تھے۔ سوامی جی نے پرانکوں کی پنچ کنواریاں کا ذکر کرتے ہوئے ایک ایک وصف بیان کرنا شروع کیے۔ اور پرانکوں (ہندوؤں) کی عقل پر افسوس کیا کہ دروپدی کو پانچ خصم کرا کے آئے کماری قرار دینا اور طرح کنتی تارہ مندوری وغیرہ کو کماری کہنا پرانکوں کی اخلاقی تعلیم کو ناقص ثابت کرتا ہے۔ سوامی جی کا طرزِ بیان ایسا پُر مذاق تھا کہ سامعین تھکنے کا نام نہیں جانتے تھے۔ اس پر صاحب کلکٹر اور صاحب کمشنر وغیرہ انگریز ہنستے اور خوشی کا اظہار کرتے رہے۔ لیکن اس مضمون کو ختم کر کے سوامی جی مہاراج بولے پورانیوں کی تو یہ لیلا ہے۔ اب کرانیوں کی لیلا سنو۔" یہ ایسے بھرشٹ (ناپاک) ہیں کہ کماری کے بیٹا پیدا ہونا بتلاتے ہیں۔ اور پھر دوش (گناہ) سورگیہ شدہ سوروپ پر ماتما (بے عیب خدا) پر لگاتے ہیں اور گھور پاپ کرتے ہوئے تنک بھی لجت نہیں ہوتے" اتنا کہنا ہی تھا کہ صاحب کلکٹر اور صاحب کمشنر کے چہرے مارے غصہ کے سُرخ ہو گئے۔ لیکن سوامی جی نے کھیان اسی زور وشور سے جاری رکھا۔ اس روز عیسائی مت کا دیا کھیان کے خاتمے تک کھنڈن کرتے رہے دوسرے روز صبح کو ہی خزانچی لکشمی نارائن کی صاحب کمشنر بہادر کی کوٹھی پر طلبی ہوئی۔ صاحب بہادر نے فرمایا کہ اپنے پنڈت صاحب کو کہہ دو کہ بہت سختی سے کام نہ لیا کریں ہم عیسائی لوگ تو مہذب ہیں ہم تو بحث مباحثہ میں سختی سے نہیں گھبراتے لیکن اگر جاہل ہندو اور مسلمان برافروختہ ہوئے تو تمہارے سوامی پنڈت کے دیا کھیان بند ہو جائیں گے"

(سوانح عمری کلاں دیباچہ صفحہ ۱۰)

اس لیے آریہ سماجی آجکل جو کچھ تیز کلامی کرتے ہیں وہ سوامی کی زہریلی تعلیم کے اثر سے کرتے ہیں۔ کیوں؟

ما مریداں رُو بسُوئے صُلح چوں آریم چوں
رُو بسُوئے فتنۂ و پیکار دارد پیرِ ما

سوامی جی کی تیز مزاجی اور تلخ کلامی کی کڑواہٹ ہم مسلمانوں ہی کو محسوس نہیں۔ بلکہ ہندوستان کے مقبولہ لیڈر صوفی مشرب مرنج و مرنجاں کے نمونہ مہاتما گاندھی نے بھی سوامی دیانند کی کتاب (ستیارتھ پرکاش) کی نسبت لکھا ہے

"سوامی دیانند نے اسلام اور دیگر مذاہب کی غلط تصویر دکھائی ہے ان کی کتاب ستیارتھ پرکاش بڑی مایوس کن ہے۔"

(ینگ انڈیا ۲۹ مئی ۱۹۲۴ء ترجمہ ماخوذ از آریہ اخبار پرتاپ لاہور ۴ جون ۱۹۲۴ء)

سوامی جی دیانند کے علاوہ گاندھی جی نے موجودہ آریوں کی نسبت بھی اظہار رائے فرمایا کہ:-

"آریہ سماجی تنگ نظری اور لڑائی کی عادت کی وجہ سے یا تو دیگر مذاہب کے لوگوں سے لڑتے رہتے ہیں اور اگر ایسا نہ کرسکیں تو آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔" (پرتاپ ۴ جون ۱۹۲۴ء)

بس پھر کیا تھا جو دعویٰ گاندھی جی نے زبانی کیا تھا۔ آریوں نے اس کی دلیل بیان کردی۔ یعنی سماج کی چاروں طرف سے مہاتما گاندھی پر آوازے کسے گئے۔ ویدک دھرم سے جاہل مسلمانوں کو خوشامدی وغیرہ کہا گیا۔ اس کے بعد ہندوستان کے ایک سربرآوردہ نیم سرکاری انگریزی اخبار پانیر میں ایک نوٹ نکلا جس کا ترجمہ یہ ہے:-

مسٹر گاندھی اور آریہ سماج کے باہمی اختلاف کا حوالہ دیتے ہوئے ٹائمز آف انڈیا رقمطراز ہے کہ مسٹر گاندھی نے یہ ایک عام سچی بات کہی ہے کہ آریہ سماجی اس قومی مخاصمت کے جواب ملک میں پھیل

رہی ہے۔ بڑی حد تک ذمہ دار ہیں اور اس نے دو ایک سماجیوں کے نام بھی لیے ہیں جنہوں نے اس تحریک میں راہنمائی کی ہے۔
ہر ایک شخص یہ جانتا ہے کہ مسٹر گاندھی نے اپنے اظہار میں اصلی معاملہ سے زاید نہیں کہا۔ جھگڑے کی بنا تحریک شدھی سے شروع ہوتی ہے جو سماجیوں نے یو پی، آگرہ وغیرہ میں ایک سال کا عرصہ ہوا جاری کی تھی اور قریبًا سب جھگڑوں میں جو دونوں قوموں کے درمیان ہوئے، سماجیوں کے کارناموں کی کھوج ملتی ہے بعض سماجی مثلاً سوامی دھانند کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کچھ نہیں کرتے بلکہ صرف ہندوؤں کی حالت کو مضبوط کرتے ہیں تاکہ ہندو اور مسلمان دونوں برابر کی حالت میں بے خوف رہیں۔ دوسروں نے علانیہ مسلمانوں کے خلاف تقریریں کیں۔ چاہے سماجی رہنماؤں کا مقصد مسلمانوں کو ڈرانا یا ان کو محبت سے مطیع کرنا ہو۔ یہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ ان کی اس جدوجہد سے مسلمان سخت برانگیختہ ہوئے اور اس بات سے سماجی بھی مطلع ہیں مسٹر گاندھی کے بیان نے نکتہ چینیوں کا ایک طوفان برپا کر دیا ہے۔ تمام ہندوستان میں سماجی مسٹر گاندھی کے خلاف بڑے زور سے احتجاج کر رہے ہیں۔ مگر ان کا یہ احتجاج بے ریا اور خالص نہیں معلوم ہوا۔ کیونکہ سماجی اور دیگر ہر ایک کو اس بات کا علم ہے کہ ان کا یہ تبلیغی کام مسلم حلقوں میں کس طرح دیکھا جاتا ہے ؎

(پانیر الہ آباد، مورخہ ۲۴ جون ۱۹۲۴ء)

جب اس پر بھی سماجیوں کا جوش ٹھنڈا نہ ہوا تو بحکم الٰہی
شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا[1]

---

[1] گھر کے بھیدی نے گواہی دی۔

خدا نے آریوں میں ایک معتبر گواہ پیدا کر دیا جس نے مہاتما گاندھی جی کی یعنی پنجاب کے بہت بڑے لیڈر لالہ لاجپت رائے جی نے سوئٹزر لینڈ دیورپ سے ایک مضمون اپنے اخبار بندے ماترم لاہور میں شائع کرایا جس کا اقتباس یہ ہے :۔

"میں ۱۸۸۲ء کے نومبر میں آریہ سماج کا ممبر بنا اور ۱۹۲۰ء میں میں نے اپنا تعلق ایک گونہ علیحدہ کر لیا۔ میں اپنے ۳۸ سال کے اندرونی تجربہ سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ مہاتما گاندھی نے آریہ سماجیوں پر جو نکتہ چینی کی ہے وہ ان کی محبت پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں بہت کچھ سچائی ہے آریہ سماجیوں پر واجب ہے کہ بجائے خفگی کے رزولیوشن پاس کرنے کے شانتی اور ٹھنڈے دل سے اس پر غور کریں ۔"

(ماخوذ از آریہ گزٹ لاہور ، اگست ۱۹۲۴ء)

گاندھی جی نے غضب پر غضب یہ کیا کہ یہ بھی لکھ دیا کہ :۔

اسلام چھوٹا نہیں ہے۔ ہندوؤں کو بھگتی کے ساتھ اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ پھر وہ اس کے ساتھ محبت کریں گے۔ جس طرح میں کرتا ہوں ۔

(ترجمہ ینگ انڈیا در پرتاب ۴ جون ۱۹۲۴ء)

بس پھر کیا تھا آریوں نے گاندھی جی سے فرصت پا کر اسلام اور پیغمبر اسلام پر حملے شروع کر دیئے۔ ان حملوں میں سے ایک حملہ کتاب کی صورت میں ہے جس کا نام "رنگیلا رسول" ہے۔ اس کتاب میں حضرت سید الانبیاء علیہ السلام کے خانگی حالات ایسے بُرے بھیے اور بدترین دل آزاری سے لکھے ہیں کہ ملک میں دھوم مچ گئی۔ یہاں تک کہ مہاتما گاندھی جیسے نرم مزاج اور حلیم سلیم بزرگ نے بھی اس کتاب پر اظہار نفرت فرمایا۔ گورنمنٹ نے اس کتاب کو قابل اعتراض جانا۔ مگر چونکہ بزدل مصنف نے اس پر اپنا نام درج نہیں کیا تھا اس لیے گورنمنٹ اس کتاب کے شائع کرنے والے پر مقدمہ چلایا۔ گورنمنٹ

کا جو فرض تھا اس نے ادا کیا۔ اصل مضمون کا جواب دینا حکومت کا کام نہیں۔ بلکہ ہم مسلمانوں کا ہے۔ اس لیے جس طرح گورنمنٹ نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ ہم بھی اپنا مذہبی فرض ادا کرتے ہیں یعنی جواب دیتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے زخمی دلوں پر مرہم لگ کر تسکین ہو اور ملک میں چین و راحت پیدا ہو۔

تعصب اور بے جا حمایت

باوجودیکہ کتاب مذکور اعلیٰ درجہ کی نامہذب اور دل آزار ہے۔ تاہم آریہ اخبار اس کی مدح سرائی میں اپنا سارا ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ چنانچہ آریہ سماج کی حمایت کا واحد ٹھیکہ دار اخبار پرتاپ لاہور لکھتا ہے:۔

"رنگیلا رسول" پر فضول چیخ و پکار

معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مسلمان دوست مہاتما گاندھی کو آریہ سماج کے خلاف کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک نہایت بے ضرر کتاب "رنگیلا رسول" کے خلاف کہ جس میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صاحب کی زندگی پر سرسری نظر ڈالی گئی ہے۔ مہاتما گاندھی سے اعلان نکلوایا ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اس کتاب (رنگیلا رسول) کا طرز تحریر ایسا شریفانہ اور معقول ہے کہ کسی بے تعصب شخص کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔"

(پرتاپ ۲۶ر جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۲)

اسلامی اخباروں نے رسالہ مذکور پر جب اظہارِ نفرت کیا تو اسی آریہ سماج اخبار نے اس قسم کے تلخ رسالے لکھنے کی وجہ استحقاق بتائی کہ:۔

"اگر بدھ، عیسیٰ، نانک اور دیانند پر نکتہ چینی کی جا سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے بالاتر ہو۔ کوئی بھی ہندو یا آریہ حضرت کے متعلق کسی قسم کی بے ادبی اپنے ذہن میں نہیں لا سکتا ہاں وہ اس اصول کے لیے لڑیں گے کہ حضرت کی زندگی نکتہ چینی سے بالاتر نہیں۔ مسلمانوں کا کوئی حق نہیں کہ جب کبھی غیر مسلم اس مضمون

پر قلم اٹھائیے تو وہ آپے سے باہر ہو کر لاسے کچلنے کی کوشش کریں۔"
(پرتاپ ۱۲ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۲ کالم ۲)

غالباً اسی اصول سے دیوسماجیوں نے لاہور سے دیانندجی کے حالات کی پوری تنقید کرنے کو چند ٹریکٹ (آریہ سماج کے بانی دیانند کی زندگی وغیرہ مصنفہ امر سنگھ مطبوعہ اکتوبر ۱۹۱۶ء وغیرہ) شائع کئے تھے۔ جس کا جواب آریوں سے نہ ہو سکا۔ یا ہم نے نہیں دیکھا۔ ہمارا حق تھا کہ اسی اصول کے ماتحت ہم ان میں سے نمونہ دکھاتے۔ مگر ہم مجبور ہیں۔ اسی رسول کی تعلیم کی پابندی میں جس نے ہمیں فرعون جیسے دشمن کو تبلیغ کرتے ہوئے حکم دیا ہے۔

قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا

تبلیغ دین میں سخت ترین دشمن کے سامنے بھی نرم کلام کیا کرو۔

گفتگو آئین درویشی نبود ورنہ باتو ماجرا ہا داشتیم

اب ہم رنگیلے مصنف کا رویہ بتانے کو ایک مثال پیش کرتے ہیں جس سے اس کے حمایتیوں کو معلوم ہو سکے کہ مصنف مذکور نے حضور علیہ السلام کی زندگی کے حالات پر صرف نکتہ چینی نہیں کی بلکہ نکتہ آفرینی سے بھی کام لیا ہے۔ جس سے آریہ مصنف اور اس کے حامیوں کی تہذیب اور انصاف کا حال معلوم ہو سکے گا۔ مہاشہ جی حضرت خدیجہ رضؓ کے نکاح کی بابت لکھتے ہیں۔

"محمد (صلعم) بچپنے میں یتیم ہو گئے تھے۔ بہت مدت تک ماں کی ماتا کا سکھ نہ دیکھا تھا۔ اس سن رسیدہ عورت (خدیجہ) سے بیاہ کر لینے سے دونوں مرادیں (ماں اور بیوی کی) حاصل ہوئیں" صفحہ ۱۱۔

ناظرین! ان مہذبوں کی تہذیب کا اندازہ لگائیں کہ کن دل شکن الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو ایک معنی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماں بتاتا ہے۔ یہ ہے آرین تہذیب کا نمونہ اور یہ ہے ان کی حمایت حق کی مثال جس پر ہمیں یہ کہنے کا حق حاصل ہے۔

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری ظلم کیشی کو
بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے فتنہ گر پہلے

سماجیو! تم تو اپنے منہ سے بڑی تہذیب کے دعویدار ہو اور کہا کرتے ہو کہ ہم وہی بات کہتے ہیں جو اسلامی کتابوں میں درج ہے۔ کیا اس بے ہودہ مثال کا ثبوت بھی تم کسی اسلامی کتاب میں دکھا سکتے ہو؟ ع

تف اے چرخ گردوں تف

دوسرا رسالہ رنگیلا رسول کے علاوہ اس قسم کا زہریلا ایک رسالہ وچیتر جیون مصنفہ پنڈت کالی چرن ناگری میں شائع ہوا۔ جس کا ذکر بھی موقع بے موقع ہوگا۔

مسلمانوں سے خطاب برادران اسلام! آج کل جو کچھ کلمات ناشائستہ آپ لوگ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کی شان والاشان میں سنتے ہیں اور ان سے رنجیدہ خاطر ہونا لازمی ہے مگر ایک معنی سے یہ جاء مسرت بھی ہے۔ وہ یوں کہ مخالفوں کی بدزبانی اور دل آزاری سے قرآن مجید کی ایک پیش گوئی کی تصدیق ہوتی ہے۔ پس آپ غور سے سنیئے ارشاد ہے۔

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا۔	تم لوگ مخالفان اور منکران اسلام سے سخت سخت باتیں سنو گے۔

پارہ ۴ رکوع ۱۰۔

یعنی مخالفین اسلام تمہارے اور تمہارے مذہب کے حق میں سخت سے سخت بدگوئی کریں گے۔ جو تم ہمیشہ سنو گے۔ تو یہ ہے پیش گوئی۔ مگر تم مسلمانوں کا اس وقت فرض کیا ہوگا۔ وہ بھی سن لو۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔	اگر تم مسلمان وان کی سخت کلامی سن کر صبر کرو گے اور خدا سے ڈرتے رہو گے تو یہ خدا کے نزدیک پسندیدہ کام ہوگا۔

پارہ ۴ رکوع ۴

پس برادرانِ اسلام! آپ لوگوں کو جو ایسی سخت کلامی سے رنج ہوتا ہے تو اس رنج میں اس خدائی حکم کو اپنا نصب العین بنا لیا کرو۔ اور سخت کلامی کرنے والوں کو خدائے ذوالانتقام کے حوالہ کر دیا کرو۔ سچ تو یہ ہے ؎

در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست

آریہ مصنف کا طرزِ کلام

جب سے سوامی دیانند نے آریوں کو درشت کلامی اور دل آزاری کی گھٹی دی ہے۔ آریہ سماجی اس رنگ میں رنگے گئے ہیں۔ خاص کر ہمارے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان والا شان میں ان کی یہ حالت ہے کہ صرف مفرد کے صیغے سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً محمد آیا۔ محمدؐ آ گیا۔ محمد بولا وغیرہ۔ حالانکہ کسی ادنیٰ راجہ نواب بلکہ کسی سماج کے پردھان کا ذکر بھی عزت سے کرتے ہیں۔ لیکن کروڑہا بلکہ شروع سے آج تک اربہا انسانوں کے معزز ترین عزیز از جان مذہبی پیشوا کا نام ایسے الفاظ سے لیتے ہیں کہ سُنا نہیں جاتا۔ اس کے جواب میں اگر ہم بھی ان کے گرو کو محض دیانند کے مفرد لفظ سے یاد کرتے تو ہم پر کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ لیکن ہم نے نہ کبھی پہلے ایسا کیا ہے اور نہ اس جواب میں کریں گے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہم جس رسول سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وجہ سے خفا ہیں اسی کی تعلیم ہے کہ:۔

اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ (الحدیث) — ہر انسان سے اس کی عزت کے لائق برتاؤ کیا کرو۔

یعنی جو کسی قوم کا بڑا ہے۔ اس کے ساتھ بڑوں کا سلوک کیا کرو۔ آریہ سماجی اگر اس اخلاقی تعلیم پر عمل نہیں کرتے تو وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔ ہم کیوں اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کریں۔

— — — — — — — —

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور سوامی

پس آئندہ کو ہم اعلیٰ معلم الاخلاق مصلح اعظم پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کی تعلیم کی پابندی میں دیانند کو صرف دیانند نہیں لکھیں گے۔ بلکہ اپنے دستور کے موافق ان کے معزز لقب سے سوامی دیانند لکھیں گے۔ تاکہ ثابت ہو کہ اسلام کے پیرو نے دنیا میں اخلاقی تعلیم کس معراجِ کمال تک پہنچائی ہے۔

(ارواحنا لہ الفداء)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ

آریوں میں طرزِ نکاح

رنگیلے مصنف کے سارے اعتراضات حضور علیہ السلام کی خانگی زندگی پر ہیں۔ اس لیے سب سے مقدم آریوں اور اسلام کی تعلیم نکاح کو دیکھنا ہے۔ کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اسلام میں نکاح کا یہی طریق ہے کہ مرد عورت کی مرضی سے دونوں کا معاہدہ کیا جاتا ہے کہ تم ایک دوسرے سے عمر بھر پاک نباہ کرنا۔ اگر کوئی فریق (مرد ہو یا عورت) نکاح کرنے میں ناراض ہو تو نکاح نہ ہوگا۔ برخلاف اس کے' آریوں کے گرو کی تعلیم ہے۔

بیاہ کی آٹھ قسمیں بیاہ آٹھ قسم کا ہوتا ہے۔ ایک براہم، دوسرا دیو، تیسرا آرش، چوتھا پرجاپت، پانچواں اسُر، چھٹا گاندھرب۔ ساتواں راکشس، آٹھواں پیشاچ۔ ان بیاہوں کی تفصیل یہ ہے کہ:۔

(۱) دولہا دولہن دونوں مکمل برہمچریہ سے پورے فاضل دھارمک اور نیک سیرت ہوں ان کا باہم رضامندی سے بیاہ ہونا براہم کہلاتا ہے۔

(۲) بھاری یگ کرنے میں یگ کا کام کرتے ہوئے داماد کو زیور پہنی ہوئی لڑکی کا دینا دیو۔

(۳) دولہا سے کچھ لے کر دواہ ہونا آرش۔

(۴) دونوں کا بیاہ دھرم کی ترقی کے لیے ہونا پرجاپت۔

(۵) دولہا اور دولہن کو کچھ دے کر بیاہ کرنا آسُر۔

(۶) بے قائدہ بے موقع کسی وجہ سے دولہا اور دولہن کا بامرضی باہم میل جول ہونا گاندھرب۔

(۷) لڑائی کر کے جبراً یعنی چھین جھپٹ یا فریب سے لڑکی کو حاصل کرنا راکشس

(۸) خفتہ (سوئی ہوئی) یا شراب پی ہوئی یا پاگل لڑکی سے بالجبر ہم بستر ہونا پیشاچ

بیاہ کہلاتا ہے۔ ان سب بیاہوں میں براہم سب سے افضل، دیو، آرش اور پرجاپت متوسط، آسُر اور گاندھرپ ادنیٰ، راکشس مذموم اور پیشاچ نہایت مکروہ ہے۔" (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۱۸۔ باب ۴، نمبر ۴۱)

یہ الفاظ ہم نے اردو ستیارتھ پرکاش طبع اوّل سے نقل کیے ہیں۔ طبع چہارم میں آریوں نے ایک کمال کیا ہے۔ شروع میں یہ الفاظ بڑھا دیئے ہیں۔

"بیاہ (اولاد پیدا کرنے کا طریق) آٹھ قسم کا ہوتا ہے۔

یہ زیادتی بھی ہمیں مضر اور ان کو مفید نہیں بلکہ ہمیں مفید ہے۔ اگرچہ سوامی جی نے نمبر (۷) اور نمبر (۸) کو مذموم اور نہایت مکروہ لکھا ہے لیکن اتنا تو مانا ہے کہ عقد نکاح ہو جاتا ہے اور اولاد جوان دو قسموں سے پیدا ہوگی۔ جائز وارث کہلانے کی مستحق ہے۔

ناظرین! غور کیجیے، کس قدر حیا سوز اور خطرناک تعلیم ہے۔ کسی کی معصومہ لڑکی کو جبراً یا فریب سے چھین کر یا دھوکہ فریب سے شراب پلا کر عقد نکاح کر لیں۔ تو بشہادت سوامی جی عقد جائز ہوگا۔ گو مکروہ اور ناپسند کہا جائے۔ لیکن بیوی بنا کر اس مظلومہ لڑکی کو رکھنے کا حق تسلیم ہے اور اس سے پیدا شدہ اولاد جائز ہوگی۔ (اُف رے ظلم !!!) نمبر (۶) بھی خاص قابلِ غور ہے جو بلا شبہ جائز ہے۔ آریوں کی خانگی زندگی کی ابتداء دکھا کر ہم اصل جواب پر آتے ہیں۔

تمہید جواب

رنگیلے مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی پچیس سالہ زندگی کو برہمچریہ (پاک) زندگی کہہ کر بھی ایک خفیہ سی چوٹ کی ہے۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"ہم اوّل اوّل ایک نظر محمد کے زمانہ تجرد ڈالنا چاہتے ہیں۔

کیونکہ دنیا میں ایسے بوسیدہ دماغ لوگ[1] موجود ہیں خواہ مخواہ بھلے مانسوں کی عادات پر شک کرتے ہیں۔ ہم محمد صلعم کو برہمچاری مانتے ہیں۔ کیونکہ اس نے اس بارے میں اپنی شہادت آپ دے رکھی ہے ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں

"ایک رات میں قریشی لڑکے کے ساتھ مل کر ریوڑ چرا رہا تھا۔ میں نے اس لڑکے سے کہا کہ اگر تو ریوڑ کی پاسبانی کرے تو میں جاؤں اور جس شغل میں نوجوان رات کا وقت گزارتے ہیں۔ میں بھی گزار آؤں یہ کہہ کر محمد صلعم مکہ چلا گیا مگر وہاں ایک شادی کی دعوت نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی اور اسے نیند آگئی"۔

"ایک اور رات وہ پھر اسی ارادے سے مکہ پہنچا مگر بہشت کے نغموں نے اس کے دل کو مسحور کر لیا۔ وہ وہیں بیٹھ گیا اور سوتے سوتے صبح کر دی۔ محمد صلعم کہتا ہے کہ ان دو واقعات کے بعد میرا دل برائی کی طرف نہیں بڑھا"

(حیات محمدی مولفہ میور صاحب)

"ہمیں محمد صلعم کے قول پر اعتبار ہے کیونکہ اسے امین کہا گیا ہے، ہم مانتے ہیں کہ اس کا دل گناہ کے شائبہ سے بری تھا۔ دو ہی دفعہ اسے شیطان نے گمراہ کیا۔ مگر تائید غیبی شامل حال ہوئی اور ہمارا رنگیلا رسول اس چاہِ گمراہی سے بال بال بچ گیا۔ کم از کم اس نے عملاً گناہ نہیں کیا" (صفحہ ۷، ۸)

اس بیان میں سر ولیم میور کے حوالہ میں مہاشہ نے سخت خیانت کی ہے پہلے ہم سر موصوف کی اصل عبارت نقل کرتے ہیں۔ میور صاحب نے ایک سرخی مقرر کی ہے۔

---

[1] جیسے آریہ سماجی

محمد کی باوقار و باتمکین و پرہیزگارانہ جوانی۔

(1) All the authorities agree in ascribing to the youth of Mohammad a correctnes of department a purity of manners care enemy the people of macca .

ترجمہ:۔ جوانی کی عمر میں محمد (صلعم) کے برتاؤ (اخلاق) کی راستی اور عادات کی طہارت کے بیان کرنے میں جو مکہ کے لوگوں میں نہایت کمیاب تھی۔ سب مصنف متفق ہیں۔

(2) his Moderty is said to have been Miraculons by preserieed

اس کی شرم وحیا اعجازی طور پر محفوظ بیان کی جاتی ہے

. . . . . .

(3) I was engaged one Night (sarunsa tradition from the prophet) feeding the flocks in company with a bad of Qurriesh

پیغمبر صاحب (صلعم) سے ایک روایت یوں ہے کہ میں ایک رات ایک قریشی لڑکے کے ساتھ بکریوں کا گلہ چرا رہا تھا۔

. . . .

(4) And I. said to him. if thou with flocks of ofter my flock I will go in to macca and divert my self there ,as youth are went by night to divert him schurs

میں نے اس (لڑکے) سے کہا کہ اگر تم میرے گلہ کی حفاظت کرو تو میں مکہ میں جا کر اپنا دل بہلا آؤں۔ جس طرح کہ نوعمر لڑکے رات کو اپنے دل بہلانے کے

عادی ہیں۔

لیکن جونہی آپ شہر کے حدود تک پہنچے تو ایک برات کی تقریب نے آپ کی توجہ کو اپنی طرف پھیر لیا اور آپ سو گئے۔

(5) But no roome bed be reached the precinets of the city, them a marrenge feast engaged liis attention, be fat a sleap .

پھر ایک اور رات کو آپ شہر میں اسی ارادہ سے داخل ہوئے تو آپ پاک نغموں کی وجہ سے باز رکھے گئے آپ نیچے بیٹھ گئے اور صبح تک سوئے رہے۔

(6) One anathere night entention , he was errested by heaveninly srtrains of music and sitting down He slept hill morning

(7) Thus he again escaped tempatations

اسی طرح پھر بھی آپ دنیاوی تفریح کی خواہش سے بچے رہے۔ اس کے بعد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے) میں نے پھر کبھی بھی برائی کا قصد نہیں کیا۔ یہاں تک

(8) And after this added mohammad I no more sought aternice even I had attainded I had attainded in to the praphatic office

کہ میں منصب نبوت پر
پہنچایا گیا۔
سر میور صاحب کی یہ انگریزی عبارت اور اس کا ترجمہ ہی حضور علیہ السلام کی پاک زندگی کا صاف صاف اعلان کر رہے ہیں تاہم دشمن کی دھاندلی کے لیے ہم اس کی مزید توضیح کرتے ہیں۔
عرب میں مجالس ہوتی تھیں۔ جیسے آج کل شائستہ ملکوں میں کلب ہوتے ہیں۔ لوگ رات کے وقت وہاں بیٹھ کر شعر و شاعری کرتے اور ملکی واقعات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اس رسم کا ثبوت کتاب " بلوغ الارب فی احوال العرب" سے ملتا ہے۔ میور صاحب نے اس مقام پر خود تاریخ طبری کا حوالہ دیا ہے۔ تاریخ طبری کو دیکھیں تو اس کی جلد دوم میں یہ الفاظ ملتے ہیں۔
حَتّٰی اَدْخُلَ مَکَّۃَ فَاَسْتَمَرَّ بِھَا کَمَا یَسْمُرُ الشَّبَابُ (صفحہ ۱۹۶)
" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھی لڑکے کو کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ مکہ میں جاؤں کہ اس طرح باتیں کروں اور حکایتیں سنوں جس طرح جوان لڑکے سنتے ہیں۔"
یہ الفاظ مدعا کو بالکل صاف کر رہے ہیں کہ مکہ میں جانے سے حضور کا کوئی برا ارادہ نہ تھا جیسا کہ مخالف نے اشارہ کیا ہے۔ بلکہ ملکی رسم کے مطابق ایک معمولی کام تھا۔ لیکن چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقات گرامی شروع سے ایسے معمولی کاموں میں صرف نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ مصنف مخالف بھی مانتا ہے۔
" محمد (ص) تنہائی پسند آدمی تھا۔ خیالات کی دنیا میں مست رہتا۔ پہاڑوں میں، صحراؤں میں، میدانوں میں، خلوت کے گوشے میں جا بیٹھتا اور اپنے دل سے باتیں کیا کرتا تھا۔" (رنگیلا صفحہ ۱۲)
اس لیے حضور علیہ السلام نے اس معمولی کام کو بھی جو ملکی رسم کے مطابق ہر طرح جائز تھا۔ بلکہ آج کل بھی لائبریریوں میں بصورت اخبار بینی مستحسن

سمجھا جاتا ہے اپنی شانِ عالی کے لحاظ سے ناپسند کرکے فرمایا۔

مَا هَمَمْتُ بَعْدَهَا بِسُوْءٍ (طبری)

یعنی بقول میور صاحب "میں نے کبھی بھی (ایسے جائز) مکروہ کام کا قصد نہ کیا۔"

سماجیو! تمہارا رنگیلا مصنف سچ کہتا ہے۔

محمد (ص) کی زندگی سبق خیز زندگی ہے۔ نصائح سے پُر، عبرتوں سے لبریز، واقعی راہنما ہے۔ حقیقی معنوں میں راہنما ہے۔" (صفحہ ۶)

سچ ہے:

مجھ میں ایک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں
ان میں دو وصف ہیں بدخو بھی خودکام بھی ہیں

مجمل جواب

مہاشے مصنف کے سارے اعتراضوں اور گستاخیوں کا خلاصہ یہ ہے۔

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہت سی بیویاں کیں اور ان بیویوں میں آپ رنگ رلیاں کرتے۔ یعنی بیویوں کے حسبِ منشاء خوش مزاجی سے زندگی گزارتے تھے۔ لطف یہ ہے کہ بڑے فخر سے وہ یہ بھی مانتا ہے کہ

"محمد (ص) کا پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں ہوا۔ یہاں تو آریہ سماجیوں کو ماننا ہوگا کہ محمد (ص) نے شاستر کے مطابق زندگی کا پہلا حصہ مجرد رہ کر گزارا۔ محمد (ص) برہمچاری تھا، اس کا حق تھا کہ شادی کرے۔" (صفحہ ۷)

وہ یہ بھی مانتا ہے کہ:

محمد برہمچاری تھا، اس نے پچیس سال کی عمر تک شادی نہیں کی اور عالم جوانی کے تموجات کے باوجود بدکاری سے بچا رہا۔" (صفحہ ۹)

کہ مخالف کو یہ بھی تسلیم ہے۔
"معیادِ خانہ داری کے پچیس برس محمد (صلعم) ایک ہی بیوی پر قانع رہا اور وہ بھی دو خاوندوں کی بیوہ جو نکاح کے وقت چالیس برس کی اور انتقال کے وقت پینسٹھ برس کی تھی۔ اس بڑھیا سے اس جوان کی نبھ گئی۔ یہ بات محمد (صلعم) کی پاکیزہ خاطری پر دلالت کرتی ہے۔"
(رنگیلا صفحہ ۱۸)

سچ ہے۔ اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ (فضیلت وہ ہے جس کا دشمن بھی معترف ہو۔)

باوجود اس اعتراف اور اقرار کے آریہ مصنف نے جو کچھ اعتراضات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خانہ داری پر کیے ہیں۔ وہ ایک اصولی غلطی کی بنا پر ہیں۔ اس لیے اس مجمل جواب میں ہم پہلے وہ اصول بتانا چاہتے ہیں۔ جن کی پابندی کرنا ہر ایک دھرماتما بلکہ ہر ایک شریف آدمی کا فرض ہے۔

قدرتی اصول

آریہ سماج اس اصول کو مانتی ہے کہ قانونِ قدرت خدا کا فعل ہے جو کام قانونِ قدرت کے مطابق ہو وہ قابلِ اعتراض نہیں اس پر اعتراض کرنا خود مورد اعتراض بنتا ہے۔ پس اس اصول کے مطابق ہم دیکھتے اور آریہ سماج کو دکھاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خانگی زندگی بالکل قانون قدرت کے مطابق تھی۔ وہ غور سے سنیں۔

ہم انسان میں تین خواہشوں کا ثبوت دیکھتے ہیں۔ کھانے، پینے کی خواہش جو پیدائش کے وقت سے موت تک شیر خوار، نابالغ اور بوڑھے سب کو برابر ہے۔ ان کے قدرتی ہونے میں کیا شک ہے ہ؟ ہرگز نہیں)

تیسری خواہش مرد، عورت کی ہے جو انسانوں کے علاوہ حیوانوں میں بھی برابر پائی جاتی ہے۔ بالغ ہونے پر نر کو مادہ کی اور مادہ کو نر کی طرف رغبت ہوتی ہے جو پہلی دونوں خواہشوں کی طرح بالکل قدرتی ہے اس میں بھی مثل سابق کسی انسانی فعل کو دخل نہیں

غرض یہ تینوں خواہشیں برابر قدرتی ہیں پہلی دو خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے جس طرح انسان اخلاق اور مذہبی اصول کے ماتحت مجانب ہے کہ اپنی کھانے پینے کی خواہشات کو پورا کرے تیسری خواہش کے پورا کرنے میں بھی مجانب ہے کہ انہی اصول کے ماتحت جس طرح چاہے اس کو پورا کرے یعنی اس کا مادہ سے ملاپ مثل حیوانات کے نہ ہو جو بالکل خود غرضی پر مبنی ہوتا ہے بلکہ تمدن کے صحیح اصولوں پر ہو جس سے فریقین کی زندگی پر کوئی غیر معمولی ناگوار اثر نہ پڑے اسی لیے قرآن مجید میں جہاں نکاح کا ذکر آتا ہے ایک جامع برکات لفظ آتا ہے جو سب خوشیوں کو شامل ہے یعنی

مُحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسَافِحِیۡنَ

یعنی نکاح اس غرض سے کرو کہ تمدنی اصول کے ماتحت پاکیزہ زندگی گزرے نہ صرف شور گندم نکالنے کو۔ سوامی دیانند بھی اس اصول کے پابند نظر آتے ہیں جب با وجود اصول تمدن کے مخالف ساری عمر مجرد رہنے کے نکاح کے تعلق سے رہنا انسانی طریق اور بے تعلق نکاح کے ملاپ کرنا حیوانی وضع بتاتے ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش باب ۴ فقرہ ۱۴۵)

جہاں تک دیکھا جاتا ہے اصولِ تمدن کے ماننے والے سب متفق ہیں کہ کیا انسانی خواہش نفسانی کے پورا کرنے اور کیا نسل انسانی کے باقی رکھنے کو میاں بیوی کا تعلق بہت ضروری ہے۔ چونکہ یہ تعلق خاص اُس تیسری خواہش کے پورا کرنے کے لیے ہے۔ اس لیے اُس خواہش کی جتنی بھی صورتیں ہوں گی اُن سب کے پورا کرنے کا ذریعہ یہی ایک تعلق نکاح ہے۔ جو شخص اپنی جملہ خواہشوں کو اسی ذریعہ سے پورا کرے گا وہ متمدن (بھلامانس) ہے اور جو اس کے سوا اور کسی ذریعہ کی تلاش کرے گا وہ مخالف اور راکھشس ہے۔

قرآن مجید میں اس جائز تعلق کے فوائد بتا کر اطلاع دی ہے۔

فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ۔

یعنی جو لوگ اس تعلق نکاح کے علاوہ کسی ذریعہ سے حاجت روائی کریں گے وہی قانونِ قدرت سے متجاوز ہوں گے۔

تفصیل تاکہ آئندہ چل کر جواب سمجھنے میں آسانی ہو، مناسب ہے کہ تیسری خواہش کی ہم ذرا تفصیل کر دیں۔

کون نہیں جانتا کہ مرد کو عورت سے اور عورت کو مرد سے کئی قسم کے تعلقات ہوتے ہیں، پوری قضاء حاجت تو کسی سے مخفی نہیں۔ اس سے کم درجہ بھی ہوتی ہے۔ جس کو صاف لفظوں میں بوس وکنار کہو یا کچھ اور کبھی یہ بھی نہیں محض دل لگی کی باتیں ہی ہوا کرتی ہیں کبھی ہم بستری میں محض ملاقات ہے۔ غرض کبھی کچھ کبھی کچھ یہ سب قسم کے تعلقات ایسے ہیں کہ ان میں کسی قوم کی خصوصیت نہیں۔ بلکہ سب انسان بلکہ جملہ حیوان بھی اس میں شریک ہیں۔ کبوتر کو دیکھیے کہ کبوتری کے سامنے کس محبت سے ناچتا ہے۔ کس کس طرح اس کا دل بہلاتا ہے۔ مرغا جو عیالداری کنبہ پروری وغیرہ میں سب جانداروں سے انسان کے بہت مشابہ ہے۔ کس طرح مرغی کے سامنے چہل کرتا اور اس کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے؟ کیا کسی انسان کی تعلیم سے؟ نہیں بلکہ قدرتی تعلیم سے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک کبوتر اور ہر ایک مرغا بلکہ ہر ایک چڑا بلکہ ہر ایک نر اسی طرح اپنی مادہ سے دل بہلاتا ہے۔ یہ سب مظاہر قدرت ہیں۔ ان پر اعتراض کرنا قانونِ قدرت پر اعتراض کرنے کے برابر ہے۔ جو کسی دہریے کو بھی حوصلہ نہیں۔

اسی غرض کا نتیجہ گو عام طور پر لڑکی اور لڑکے کی عمر کا اندازہ لگایا جاتا ہے مثلاً لڑکی ۱۲ سال کی ہو تو لڑکا ۱۶ سال کا یا لڑکی ۱۵ سال کی ہو تو لڑکا بیس سال کا۔ مگر قانون قدرت ہمیں بتاتا ہے کہ جس طرح کھانے پینے میں من پسندی کو دخل ہے۔ اس میں بھی فریقین کی من پسندی ہی ایک اصول صحیح ہے، دیگر ہیچ، اس کو کسی نیچرل شاعر نے یوں لکھا ہے۔ ؎

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف
دل کے ملنے کا ڈھنگ اور ہی ہے

قرآن مجید نے اس قدرتی اصول کے ماتحت یہ فرمایا ہے۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ۔

جن عورتوں کو تم پسند کرو ان سے نکاح کرو

ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہ مجمل جواب کافی ہے۔ اب ہم مفصل جواب پر آتے ہیں۔

مفصل جواب

حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہ رضؓ کی شادی حضور علیہ السلام سے اس وقت ہوئی جب کہ حضورؐ کی عمر عین شباب (۲۵ سال) کی تھی اور خدیجہؓ کی عمر چالیس سال۔ ایسی جوان عمر (۲۵ سال) میں کوئی نوجوان ایسی عمر رسیدہ عورت سے شادی کرنا پسند نہیں کرتا۔ رنگیلا مصنف یہاں تک مانتا ہے کہ:۔

"ہم خدیجہؓ کو مائی کہیں گے کیونکہ اس کی عمر چالیس برس کی تھی جب وہ محمد (صلعم) کے حرم میں داخل ہوئی یا اگر حقیقت ہی کا اظہار ضروری ہو تو محمد (صلعم) اس کے حرم میں داخل ہوا۔ (صفحہ ۹)

آپ مائی کہیں تو آپ کی سعادت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری تو مائی نہیں بلکہ ماں ہے مگر تم کو اعتراض کیا؟ ناظرین! اعتراض سنیئے! رنگیلا مصنف کیا مزے لے لے کر لکھتا ہے:۔

"محمد نے (خدیجہ کو) تجارت کا حساب دیا اور اپنی اجرت لے کر رخصت ہوا۔ اس کی شرمیلی آنکھیں، ضرورت سے کم گو زبان، قدرتی جمال اس سے بڑھ کر یہ پیار کا کھرا پن پھر بے تکلفی اور سادگی جو دل میں تھا وہی زبان پر جو زبان پر تھا وہی عمل میں، بڑھیا پر یہ بے ساختگی اثر کر گئی۔ اسے (محمد کو) اپنی تنہا زندگی کا شریک بنانا چاہا" (صفحہ ۱۲)

بندۂ خدا! اتنی طول کلامی کی کیا حاجت تھی۔ مختصر یہ کہہ دیا ہوتا ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یا اگر فارسی شعر منہ پر نہ چڑھتا تو اردو شعر ہی لکھ دیا ہوتا ؎

حسیں ہو، مہ جبیں ہو، دل نشیں ہو   لقب جن کے ہیں اتنے وہ تمہیں ہو

حضرت خدیجہ نے اگر اپنے لیے شریک تنہائی حسب منشا پسند کیا اور حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو شریک راز بنایا تو حسب تمہید مذکورہ آپ کو کیا سوال؟ ہاں ایک تاریخی واقعہ آپ نے میور صاحب کی مصنفہ کتاب "حیات محمدؐ" سے نقل کیا ہے گو وہ ہمارے کسی طرح مخالف نہیں۔ مگر ہم اس کے متعلق بھی ناظرین کو اطلاع کرتے ہیں کہ یہ سارا قصہ سرے سے غلط ہے۔ وہ قصہ مہاشہ جی کے لفظوں میں یوں ہے۔ لکھتا ہے:۔

"خدیجہ کا باپ بھی زندہ تھا۔ اس کی طرف سے خدشہ تھا کہ وہ راستے میں روڑا ہوگا۔ اس اثنا میں خدیجہ نے ایک دعوت کی اور اس میں اپنے اور محمدؐ کے خاندان والوں کو مدعو کیا۔ شراب کا دور چلنے لگا۔ خدیجہ کا باپ اس دور میں بہہ گیا۔ حد سے زیادہ پی گیا بوڑھا تھا۔ بہک اُٹھا۔ یہی وہ موقع تھا جس کی سب کو تاک تھی۔ اسے شادی کے کپڑے پہنا دیئے گئے اور خدیجہ کا نکاح ہو گیا۔ اسے ہوش ہوئی تو ہکا بکا رہ گیا مگر پنچھی پنجرے سے نکل چکا تھا۔ بزرگوں کا سا تحمل اختیار کیا اور خاموش رہا۔"

(حیات محمدی مؤلفہ میور صاحب)

میور صاحب خود اس روایت کی نسبت واقدی کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت غلط ہے اس کے علاوہ اسلام کے مشہور اور مستند مورخ بلکہ استاد المورخین امام ابن جریر طبری نے اس روایت کی با دلیل یوں تکذیب کی ہے کہ

اِنَّ اَبَاهَا مَاتَ قَبْلَ الْفِجَارِ۔ (طبری جلد دوم صفحہ ۱۹۰)

یعنی حضرت خدیجہ کا باپ جنگ فجار سے بھی پہلے فوت ہو چکا تھا۔ اور جنگ فجار اس نکاح سے پہلے کی ہے۔

گھر کا بھیدی سنو! تمہارے دوسرے بھائی پنڈت کالی چرن نے عراسی مضمون پر ہندی میں "دھرم جیون" لکھا ہے اس میں وہ لکھتا ہے کہ

"حضرت کی منظوری نکاح سن کر خدیجہ نے اپنا خادم اپنے چچا عمرو بن سعد کے پاس بھیجا کہ مجلس میں آئے۔" (صفحہ ۱۴۴)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ باپ کی موجودگی تمہارے بڑے بھائی کو بھی مسلّم نہیں، خدیجہ کے باپ کے شراب پینے اور اس کے بے ہوش ہونے سے نہ اسلام پر نہ بنی اسلام پر کوئی اعتراض ہے۔ اس لیے ہم اس کی مزید تردید میں جانے کی ضرورت نہیں جانتے کیونکہ ہماری غرض حضور علیہ السلام سے مدافعت ہے۔ کسی اور سے نہیں اور حضور کی نسبت تو مخالفت مہاشہ کے قلم سے یہ الفاظ نکل گئے یا خدا نے نکلوائے کہ

"خدیجہ (رض) نے محمد کو محمد بنایا۔ پچیس برس کے عرصہ میں جب تک وہ محمد (ص) کی بیوی بن کر زندہ رہی۔ محمد کو دوسری شادی کا خیال نہیں آیا۔"

"آریہ شاستروں میں خانہ داری کی میعاد پچیس برس مقرر ہے یہ میعاد محمد (ص) نے نہایت پاکیزگی سے بسر کی۔ اس لیے ہم اسے آریہ خانہ دار کہہ سکتے ہیں۔" (رنگیلا صفحہ ۱۵)

آپ کی اتنی راست گوئی سے ہمیں امید ہے کہ اگر دیانتداری اور خدا خوفی سے حضور (ص) کی باقی زندگی پر غور کریں تو بجائے آریہ خانہ دار کے "آریہ سردار" کہیں گے انشاء اللہ ؎

راہ پر تم کو تو لے آئے ہیں ہم باتوں میں اور کھل جاؤ گے دو چار ملاقاتوں میں

نتیجہ خدا کا شکر ہے کہ مخالف کی نگاہ میں بھی حضور (ص) کی پچاس سالہ عمر بے عیب اور بے داغ ہے۔ باقی بھی مخالف انصاف سے دیکھیں گے تو اسی نتیجہ پر پہنچیں گے۔ ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

مہاشہ کے تین جھوٹ نکاح خدیجہ کے ماتحت رنگیلے مصنف نے تین واقعات ایسے جھوٹ لکھے ہیں جو کبھی معاف

نہیں ہو سکتے۔

پہلا جھوٹ "محمد کو یقین ہو گیا کہ دنیا گمراہ ہو رہی ہے اسے اپنے ابنائے جنس کی حالت پر رونا آتا۔ اس کے دل میں گہرا درد تھا۔ جو عربی زبان کے نہایت پُراثر اشعار کی صورت میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہو رہا تھا۔ یہی قرآن کی پہلی آیتیں ہیں۔ جو کسی نامعلوم سبب سے قرآن کے اخیر میں درج کی گئی ہیں۔ ان میں تڑپ ہے تیزی ہے۔ سچی طلب ہے۔ بیقرار آرزو ہے۔ حقیقت کی تلاش ہے۔" (صفحہ ۱۴)

پُراثر اشعار نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بنائے نہ قرآن مجید میں کوئی شعر درج ہے۔ بلکہ شعر کی تردید ہے۔ مَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ۔
(نہ ہم (خدا) نے اس نبی کو شعر بنانا سکھایا نہ اس کو لائق ہے۔

دوسرا جھوٹ "محمد کا اضطراب بڑھتا گیا اور تسلی کی صورت نہ دیکھ کر آخر اسے خیال ہوا کہ خودکشی کر لینی چاہیئے۔ آخر اسے رونے دھونے کی زندگی سے فائدہ؟ یہاں خدیجہ کی عمر رسیدگی کام آئی کوئی نوجوان عورت ہوتی تو خاوند کو پاگل سمجھتی اور اس کا ساتھ چھوڑ دیتی۔ آپ ڈرتی اور اسے ڈراتی۔ خدیجہ نے محمد کو ڈھارس بندھائی محمد کو شک تھا کہ مجھ پر جنوں کا جادو ہے۔ یہ الہام نہیں، شیطان کی کرتوت ہے۔ خدیجہ نے جنوں کا امتحان کیا اور محمد کو یقین دلایا کہ یہ فرشتے ہیں۔ ان کا پیغام درست ہے اور جب محمد نے کہا کہ یا تو وہ دنیا کو بدل دے گا۔ یا اپنا ہی خاتمہ کرے گا۔ تو خدیجہ نے دنیا کے بدلنے کے ارادے کو تقویت دی اور خود اس نئے مذہب کی جس کی اشاعت کا محمد نے منصوبہ باندھا تھا۔ سب سے پہلے پیرو ہوئی۔" (قصص الانبیا)

قصص الانبیاء میں یہ قصہ نہیں ہے نہ جنوں کا جادو۔ نہ شیطان کی کرتوت۔ بلکہ یہ سب حوالہ شیطانی القاء کہیں تو بجا ہے کوئی غیرت مند آریہ ہم کو قصص الانبیاء

میں یہ حوالہ دکھائے تو انعام لے۔

تیسرا جھوٹ "محمد کو الہام کے وقت سخت تکلیف ہوتی تھی اس کے منہ سے جھاگ آنے لگتی، جسم پسینہ پسینہ ہو جاتا. باہر کی سُدھ بُدھ نہ رہتی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ مرگی کے دورے تھے محمد اس وقت مریض ہو جاتا۔ خدیجہ اس کی خدمت کرتی۔ اس پر کپڑا اڈالتی پانی کے چھینٹے دیتی۔ غرض یہ کہ اسے ہوش میں لاتی۔ بخاری باب الوحی"

(رنگیلا رسول ص۱۳)

بخاری میں یہ حوالہ نہیں جس میں مرگی کا ذکر ہو اور خدیجہ کے پانی وغیرہ ڈالنے کا مذکور ہو۔ یہ سب آریہ مہاشہ کی ایمانداری کا ثبوت ہے۔

ہاں ان کذبات ثلٰثہ (تین جھوٹوں) کے سوا ایک سچ بھی اس کے قلم سے نکل گیا ہے (اَلْکَذُوْبُ قَدْ یَصْدُقُ [1]) لکھتا ہے۔

عرب میں پاپ ہوتا تھا۔ نہایت خوفناک پاپ ہوتا تھا اور محمد کا دل نیکی کے خیالات سے لبریز ہو رہا تھا۔ عربی بت پرست تھے اور اس نے کھلے میدانوں میں بے ابر آسمانوں میں لامحدود ریگستانوں میں کسی لامحدود طاقت کا احساس کیا تھا اسے یقین ہو گیا کہ پرماتما ایک ہے اور اس کی کوئی شکل و صورت نہیں"۔ (صفحہ ۱۴)

مہاشہ سجنو! یاد رکھنا آئندہ کو اسلام اور اہلِ اسلام پر یہ الزام نہ لگانا کہ خدا کو متشکل یا متجسم کہتے ہیں۔ ورنہ ہمیں حق ہو گا کہ ہم تمہیں یہ شعر سنائیں ؎

کیونکر مجھے باور ہو کہ ایفا ہی کرو گے
کیا وعدہ تمہیں کر کے مکرنا نہیں آتا

مہاشہ کی مائی } حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حق میں رنگیلے مہاشہ نے ان لفظوں میں اظہار عقیدت کیا ہے۔

---

[1] جھوٹا بھی کبھی سچ بولا کرتا ہے

"اس لیے ہم خدیجہ کو مائی خدیجہ کہیں گے کہ وہ عمر میں، عقل میں، دانش میں تجربہ و آزمودہ کاری میں مائی خدیجہ ہیں۔" (رنگیلا صفحہ ۱۶)

اس لیئے ہم بھی آریوں اور مسلمانوں کی مائی (حضرت خدیجہ) کی دانش مندی تجربہ کاری اور دوربین رائے کا اظہار کرتے ہیں جو موصوفہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اس وقت ظاہر کی تھی جس وقت (بقول مہاشہ کے) وہ اپنے خاوند کی ڈھارس بندھا رہی تھیں۔ اہل انصاف کے لیے وہ الفاظ قابل غور ہیں:-

آنحضور نے خدیجہ کو کہا:-

قَالَ لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي فقالت خَدِيجَةُ كَلَّا وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔ (صحیح بخاری)

مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ خدیجہ نے عرض کیا ہرگز آپ خوف نہ کریں۔ خدا آپ کو کبھی ذلیل نہ کرے گا آپ صلہ رحمی کرتے ہیں لاوارثوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ بیکسوں کو کسب پر لگاتے ہیں۔ مہمانوں کی ضیافتیں کرتے ہیں اور مصیبتوں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

یہ ہے رائے مہاشہ کی مسلمہ مائی کی جس کا خلاصہ یہ شعر ہے۔

غضب کے دلربا ہو غمگسارِ بیکساں تم ہو
معینِ ناتواں ہو میزبانِ میہماں تم ہو!!

مائی کے سپوتو! کیا کہتے ہو؟

حضرت اُمُّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وعن ابیہا

دوسرا حملہ مخالف نے حضرت صدیقہ کے نکاح پر کیا ہے۔ رنگیلے مصنف کے بڑے بھائی کالی چرن نے بھی اپنے ہندی رسالہ "وچتر جیون" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے متعلق چند روایتیں بے سرو پا لکھی ہیں۔ جن میں دیانت اور امانت کے خلاف عمل کیا ہے۔ چنانچہ اس نے بڑے طنطنے سے لکھا ہے کہ

"جب آنحضرت نے حضرت ابوبکرؓ کو عائشہ سے نکاح کرنے کا پیغام دیا تو اس سے پہلے ابوبکر مطعم بن عدی سے عائشہ کی بابت وعدہ کر چکا تھا۔ مگر حضرت کی ضد کے مارے وعدہ پورا نہ کر سکا" (صفحہ ۱۴۰)

اس دعوے پر حوالہ دیا ہے روضۃ الاحباب صفحہ ایک سو اکیاون (۱۵۱) کا جو درحقیقت صفحہ ایک سو پانچ (۱۰۵) ہے۔ ہم اس مقام کے اصل الفاظ نقل کیے دیتے ہیں۔ تاکہ با انصاف ناظرین ان مہاشہ جی کی امانت اور دیانت پر مطلع ہو سکیں۔

فارسی	اردو
درخاطر صدیق خدشہ پیدا شد چہ مطعم بن عدی عائشہ را برائے پسر خود خطبہ نمودہ بود و ابوبکر قبول کردہ و با وے وعدہ درمیان داشت و ہرگز خلف وعدہ نکردہ بود بداں سبب خولہ را گفت تو ہمیں جا باش و خود بخانہ مطعم رفت زنِ مطعم چوں ابوبکر را از دور دید گفت اے	ابوبکر صدیق کے دل میں خدشہ ہوا کیونکہ انہوں نے مطعم بن عدی سے عائشہ کے نکاح کرنے کا وعدہ کیا تھا اور ابوبکر نے کبھی وعدہ خلافی نہ کی تھی۔ اس سبب سے خولہ (قاصدہ آنحضرت) کو ابوبکر نے کہا تو یہاں میرے گھر میں ٹھہر، میں آتا ہوں یہ کہہ کر ابوبکر مطعم کے گھر کو گئے جب ان کے

ابوبکر امید آں داری کہ پسر مارا از دین ما بر
گردانی و مسلمان سازی و دختر خود بود
بوے دہی۔ ایں ہم نخواہد رسید ابوبکر
از مطعم پرسید تو ہم چنیں میگوئی
گفت آرے، صدیق غنیمت دانستہ
از انجا بخانہ خویش بازگشت و خولہ را
گفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را بگوئی تا تشریف
فرماید۔ خولہ آمد و آں سرور را از زبان
ابوبکر بخواند، حضرت بخانہ وے تشریف
داد و عائشہ را نکاح کرد۔
جلد ی ا (جلد اول صفحہ ۱۰۵)

گھر میں پہنچے تو اس کی بیوی نے ان کو دور سے
دیکھ کر کہا، لیا تو اے ابوبکر اس امید سے
میرے لڑکے کو لڑکی دینا چاہتا ہے کہ اس
کو مسلمان کر لے۔ یہ کبھی نہ ہوگا۔ ابوبکر نے
مطعم کو پوچھا کہ آپ بھی یہی کہتے ہیں۔ اس
نے کہا ہاں میں بھی یہی کہتا ہوں (جب ان
دونوں کی باتیں ایسی طعنہ آمیز ترش لہجہ میں
سنیں تو ابوبکر نے اس کو غنیمت جانا اور
اپنے گھر میں آکر خولہ (قاصد) کو کہا کہ پیغمبر
علیہ السلام کی خدمت میں عرض کر کہ بغرض نکاح
تشریف لائیں۔ خولہ گئی اور ابوبکر کی طرف سے
آنحضرتؐ کو پیغام دیا۔ حضور تشریف لائے اور عائشہ کے ساتھ آپؐ کا نکاح ہوگیا۔

کون نہیں جانتا کہ اس قسم کی گفتگو لڑکے والوں کی طرف سے رشتہ کا انکار
ہوتا ہے نہ کہ مطالبہ۔

ناظرین! غور کیجیے کہ ساری عبارت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صفائی اور وعدہ
وفائی کا کیسا صاف لفظوں میں اظہار کر رہی ہے۔ مگر مخالف نے آدھی عبارت
نقل کر کے اپنے ضمیر کو کیسا آلودہ کیا۔

اسی طرح مصنف وچتر جیون (ہندی) نے کیسا سفید جھوٹ لکھ دیا
ہے کہ:۔

"آنحضرت نے اپنی پیاری بیوی عائشہ کو ناچ دکھایا۔ (صفحہ ۱۰۴)

حالانکہ یہ ایسا غلط جھوٹ ہے کہ مصنف کو شرمانا چاہیئے کہ ایک تعلیم یافتہ
پارٹی دا آریہ کا قائم مقام ہو کر ایسی غلط بیانی کرتا ہے تو بے علم لوگوں کا کیا حال ہو
گا۔ واقعہ یہ ہے کہ مسجد نبوی میں حبشہ کے فوجی لوگ فوجی کرتب کرتے تھے۔ جس کو آجکل

مصنوعی جنگ کہتے ہیں۔ ایسی مصنوعی جنگ کو دیکھنے کا شوق ہر ایک کو ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے بھی شوق ظاہر کیا۔ حضور نے مکان کی دیوار پر سے اسے دکھایا نہ وہ ناچ تھا کیونکہ ناچ ہندوستانی محاورے میں فاحشہ رنڈیوں کے گانے بجانے کو کہتے ہیں، نہ کوئی ناجائز کام تھا۔ ہاں اس کو ناچ کہنا آریہ مصنف کی بددیانتی اور مذہبی تعصب ہے۔ جن کی شکایت ان کے گرو سوامی دیانند کو بھی ایسے مذہبی متعصبوں سے ہے (دیکھو ستیارتھ پرکاش دیباچہ صے)

رنگیلے مصنف نے اس جملہ میں اپنا سارا زور اور ساری قوت دل خرچ کر دی ہے۔ غور کیجیے کس رنگ آمیزی اور چرب زبانی سے لکھتا "صنف نازک (عورت) کا پیار محمد کی فطرت میں تھا، یہ اسے مرد لیے اور خاص کر متقی اور پرہیزگار مردوں کے لیے ایک برکت خیال کرتا تھا۔ اس کی رائے تھی کہ عورت کا عشق مرد کو نیکی کرنے کی ترغیب دیتا ہے مصیبت میں صابر بناتا ہے آفت میں استقلال بخشتا ہے سینے کو ابھارے رکھتا ہے اور روح کو صیقلہ کرتا رہتا ہے۔"

(رنگیلا صفحہ ۱۱۸)

کیا اعتراض! ہم تمہید میں اس کا جواب دے آئے اور بتا آئے ہیں کہ عورت مرد کا تعلق قدرتی ہے۔ جو کوئی اس قدرتی تعلق کو اچھی طرح نباہتا ہے۔ وہی شریف اور خدا رسیدہ ہے جو نہیں نباہتا وہ شریر یا راکھشس ہے۔ مہاشہ جی سنیے آپ کے گرو نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید یا تائید میں اسی قسم کی تعلیم دی ہے۔ آپ کو یاد نہ ہو تو کان دھریئے!

عورتوں کی ہمیشہ پوجا کرنی چاہیئے "باپ، بھائی، خاوند اور دیور[1] ان (عورتوں) کی عزت کریں اور دیور وغیرہ سے خوش رکھیں جن کو بہت بہتری کی خواہش ہو وے ایسا کریں۔ ۱۔ جس گھر میں عورتوں کی عزت ہوتی ہے اس میں آدمی باعلم ہو کر

---

[1] سماجیو! خاوند کے ساتھ دیور کی شرکت کیوں؟

دیو نام سے ملقب ہوتے اور راحت سے رہتے ہیں اور جس گھر میں
عورتوں کی عزت نہیں ہوتی وہاں سب کام بگڑ جاتے ہیں ؛ ۲ ؛
جس گھر یا خاندان میں عورتیں غمگین ہوکر تکلیف پاتی ہیں وہ خاندان
جلد تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور جس گھر یا خاندان میں عورتیں آنند سے پر
حوصلہ اور خوشی سے بھری رہتی ہیں وہ خاندان ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے ؛ ۳ ؛
اس لیے حشمت کی خواہش کرنے والے آدمیوں کو مناسب ہے کہ
عزت اور تیوہار کے موقع پر زیورات، پوشاک اور خوراک وغیرہ سے عورتوں
کی ہمیشہ عزت کیا کریں ؛ ۴ ؛ (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۴۷ باب ۴ نمبر ۴۸)
سماجی مترو! کہو تو استریوں کی پوجا کیا کرتے ہو؟

ہاں ہم کو تسلیم ہے	کہ ہمارے حضورؐ کو نازک صنف پر بہت کچھ نظر عنایت تھی اس لیے تو حضورؐ نے سارے ملک عرب بلکہ ساری دنیا کے

خلاف منشا بحکم الٰہی لڑکی کو ماں باپ کا بلکہ بیوی کو خاوند کا بھی وارث بنایا۔
دیانندی سجنو! اس محبت اور انصاف کی مثال ذرہ ویدک دھرم میں تو دکھاؤ
تمہارے سوامی نے تم کو استریوں کی پوجا کرنی سکھائی۔ مگر یہ نہ ہو سکا کہ بے چاریوں
کو مردوں کے ساتھ ورثہ میں بھی شریک کر جاتے۔ کیا یہی اسلام کا نقص ہے؟۔
سچ ہے ؎

گل است سعدی و در چشم دشمنان خار است

اس ضمن میں دوسرا فقرہ معاشرہ مصنف نے کیسا غلط لکھا ہے۔ جس سے اپنے
ہم جنسوں کی آنکھوں میں مٹی نہیں کنکریاں ڈالی ہیں۔
سماجیو! غور سے سنو!
(۱) "محمد نے شاعرانہ طبیعت پائی تھی" (کیسا سفید جھوٹ ہے)
(۲) خدیجہ کی کہنہ سالی نے عالم موجودات میں عورت کے شباب کی بہار
کا لطف نہ اٹھانے دیا یہ قوت تصور کو ایک اور تازیانہ ہوا دنیا کی

عورتیں دماغ سے اتر گئیں۔ بہشت کی حوروں کے خواب آنے لگے "۔

(رنگیلا صـ ۱۹)

مہاشے سجنو! دیکھا اسلام کا معجزہ تمہارا وکیل رنگیلا مصنف اتنی سی عبارت میں کیا کچھ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ پہلے فقرہ کی تردید تو خود قرآن مجید نے صاف صاف اور کھلے لفظوں میں کر دی ہے۔ غور سے سنو!

مَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَهٗ۔ ہم (خدا) نے نبی کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ اسے لائق ہے)

حدیث کی کسی کتاب یا تاریخ میں ثبوت نہیں ملتا کہ حضور علیہ السلام نے کبھی ایک شعر بھی بنایا ہو۔

دوسرے فقرہ کا جواب خود مہاشہ کے کلام میں ملتا ہے جو پہلے بھی صفحہ ۴۲ پر نقل ہو چکا ہے اور اب پھر نقل ہے، مہاشہ لکھتا ہے :۔

"معیاد خانہ داری کے پچیس برس محمد ایک ہی بیوی پر قانع رہا اور وہ بھی دو خاوندوں کی بیوہ جو نکاح کے وقت چالیس برس کی اور انتقال کے وقت ۶۵ برس کی تھی۔ اس بڑھیا کی اس جوان کی نبھ گئی، یہ بات محمد کی پاکیزگی خاطر پر دلالت کرتی ہے "۔ (صفحہ ۱۸)

سماجیو! تمہارا مہاشہ کیسے دل و دماغ کا مالک ہے کہ صفحہ ۱۸ پر تو حضرت خدیجہ جیسی بڑھیا بیوی سے نباہ کرنے کو حضور علیہ السلام کی پاک باطنی کہتا ہے۔ جو بالکل سچ ہے، مگر چند سطریں بعد ۱۹ پر اس بڑھیا سے نباہ کرنے کو موجب حسرت و افسوس قرار دیتا ہے۔ یہ کس قسم کا ظلم یا بدحواسی ہے؟ دونوں منقولہ عبارتیں غور سے پڑھو۔

حضرت عائشہ صدیقہ کے نکاح پر سب سے بڑا اعتراض مخالف کو یہ ہے کہ دس برس کی کم سن لڑکی تھی اور حضور کی عمر ۵۳ سال تھی۔ اس لیے مہاشہ جی مشورہ دیتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں :۔

"محمد ابوبکر کی لڑکی کو اپنی لڑکی بنا لیتا۔ اس کی شادی اپنے ہاتھوں سے کرتا، جہیز دیتا اور اس کا باپ بن جاتا تو نہایت خوش آئند ہوتا۔"
(رنگیلا صلا)

اللہ رے تیری شان! یہ اس قوم کی طرف سے مشورہ ہے جو نیچرل قانون کو اپنا اصول جانتی ہے۔ مہاشہ جی اور ان کے ساتھی جانتے ہیں کہ والدین اور اولاد کا تعلق قدرتی ہے مصنوعی نہیں کہ کسی کے بنانے سے بنے۔ اسی لیے قرآن مجید نے متبنّے (لے پالک) کو اپنا بیٹا کہنے سے منع کر دیا ہے۔ غور سے سنو! ارشاد ہے:۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ

(لے پالکوں کو ان کے والدوں کے نام سے بلایا کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے)

مگر جس قوم کا یہ اصول ہو کہ نیوگ زادہ اپنے اصل باپ (نطفہ دار) سے کٹ کر مصنوعی باپ کا بیٹا کہلائے (ستیارتھ پرکاش) وہ کیوں نہ ایسا مشورہ دیں۔

ہم گذشتہ تمہید میں خاوند بیوی کے تعلقات پر مفصل لکھ آئے۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا صفحہ ۴۴ تا ۴۹، مگر مہاشہ مخالف بے سوچے سمجھے استہزاً سے لکھتا ہے:۔

"عائشہ اپنی گڑیاں ساتھ لائی، ترپن سال کے نوشہ بھی کبھی کبھی اپنی اس ہونہار بیوی کی معصومانہ کھیلوں میں شریک ہو جاتے۔ ترپن سال کے بڈھوں کا بچوں کے ساتھ کھیلنا معیوب نہیں۔ لیکن کسی اور حیثیت میں ہونا چاہیے۔ خاوند کی حیثیت میں نہیں۔" (رنگیلا صفحہ ۲۱)

کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ حضور عائشہ رض کے ساتھ گڑیاں کھیلا کرتے تھے۔ ہم حیران ہیں کہ ان چالاکیوں سے آریہ سماج کے خیال میں فتحیابی کا پلاؤ پک رہا ہے ؎

ایں خیال است و محال است و جنوں

علاوہ اس کے ہم کہتے ہیں کونسی عقلی دلیل اس امر سے مانع ہے کہ خاوند اپنی

بیوی کی تفریح میں شریک نہ ہو (یہ جواب بعد تسلیم واقعہ کے ہے) بحالیکہ آریوں اور ہندؤوں کے مسلمہ گرو منوجی دھرم شاستر کے بانی راجہ کو اجازت دیتے ہیں:۔

"راجہ کھانا کھاکر عورتوں کے ساتھ محل میں بہار کرے۔" (باب ۷ شلوک ۲۲۱)

مہاشہ نے حضرت عائشہ صدیقہ کی نسبت دو الزام عجیب افترار کیے ہیں۔

(۱) اِفک عائشہ جو اسلامی کتابوں میں خاص کر قرآن شریف میں مردود ہے: اس کی صحت کی طرف اشارہ کرکے مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کیا۔

(۲) صحابہ کرام کے زمانہ میں مسئلہ خلافت پر جو لڑائی ہوئی اس میں بھی عائشہ کو بھی دخیل بناکر تعدد ازواج کو باعث تباہی اسلام بتایا ہے۔ چنانچہ مہاشہ مخالف کے نا مہذب الفاظ یہ ہیں:۔

"محمد کی بیٹی فاطمہ، مائی خدیجہ کی یادگار، فاطمہ علی سے بیاہی ہوئی تھی اُدھر فاطمہ کا خاوند اپنا داماد علی ہے، ادھر چہیتی بیوی عائشہ ہے محمد کدھر کو جائے، گھر میں خانہ جنگی کی بنیاد پڑگئی۔ اس خانہ جنگی نے محمد کی وفات کے بعد اسلام کی تاریخ کو متواتر خونریزیوں کی تاریخ بنا دیا۔" (صفحہ ۲۱)

معلوم نہیں مہاشہ جی کو یہ لکھتے ہوئے کوروں پانڈوں کی لڑائی کا نقشہ سامنے آگیا یا ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے وارثوں کی جنگ دکھائی دی۔ خدا جانے یہ بہکی بہکی باتیں کیوں کرنے لگ گئے ہیں ورنہ کسی اسلامی کتاب میں یہ نقشہ خانہ جنگی کا دکھائی نہیں دیتا۔ ہاں ہم مانتے ہیں کہ خلافت پر لڑائی ہوئی مگر اس کا سبب یہ نہ تھا جس کا مخالف نے منصوبہ گھڑا ہے۔ بلکہ سیاست میں اختلافِ رائے تھا۔ ہاں نمبر اول کے متعلق جواب خود قرآن مجید میں مذکور ہے۔

اُولٰئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ۔

(عائشہ وغیرہ پر جو افترار اور بہتان لگایا گیا ہے وہ اس سے پاک ہیں)

مخالفوں کا الزام اگر ملزم پر دھبہ لگا سکتا ہے تو تم کو یاد ہونا چاہیے کہ تمہارے سوامی شردھانند پر حال ہی میں جو الزامات غبن وغیرہ بداخلاقیوں کے لگائے گئے ہیں

کیا وہ بھی صحیح ہیں؟ جن سے بطور نمونہ ایک اشتہار درج ذیل ہے :-

شردھانند کی شرمناک اخلاقی موت

روپیہ کمانے کے لیے سنیاسی ہونے کی حقیقت

(پبلک فنڈوں کا حساب پوچھنے پر بازاری گالیاں)

"ہم نے شردھانند سے اخبار ایشیا دہلی میں کئی قومی فنڈوں کے حساب کا مطالبہ کیا تھا جس کے جواب میں اُس کی طرف سے اُس کے تیج اخبار میں ہمیں فحش گالیاں دے کر اپنی خاندانی تہذیب کا ثبوت دیا گیا ہے اور جو حساب دیا گیا وہ سخت مشکوک اور جعلی ہے۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ شردھانند نے قومی فنڈوں کا بہت سا روپیہ ہضم کیا ہے۔ ان جوابات سے سردھانند کی اخلاقی موت ہو گئی اب وہ تنگ آکر ہمیں کئی ذرایع سے بدنام کر رہا ہے اور اپنے چیلوں کو ہمارے برخلاف آمادہ کر رہا ہے۔ لیکن ہم اس کو آگاہ کرتے ہیں کہ آجکل غدر کا زمانہ نہیں ہے اگر کسی موقع پر ہمارا بال بھی بیکا ہُوا تو شردھانند مع اپنے چیلوں کے بڑے گھر میں نظر آئے گا۔ ایسی دھمکیاں دے کر وہ قومی فنڈوں کا روپیہ اگلنے سے بچ نہیں سکتا۔ اب ہم مجبور ہو کر پبلک کو یہ بتلاتے ہیں کہ یہ شخص سنیاسی کیوں ہُوا؟ ہم جو کچھ بھی لکھیں گے۔ ہر ایک بات کا کافی ثبوت ہمارے پاس موجود ہے۔ واقعات یہ ہیں کہ ۱۹۰۰ء میں سب سے پہلے آریہ سماج کالج پارٹی والوں نے بستی شیر پنجاب لالہ جپت رائے جی اور مہاتما ہنسراج جی اس شخص پر قومی فنڈوں کے غبن کرنے کا الزام لگایا تھا۔ یہ ہر دو اصحاب معمولی آدمی نہیں ہیں۔ ازاں بعد ۱۹۰۵ء میں کئی دفعہ معززین نے آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب میں اس شردھانند (سابق منشی رام) پر چودہ ہزار

زائد ایک رقم ہزار کی دوسری رقم غبن کرنے کی بابت کیس دائر کر کے اس کو ایک ملزم کی حیثیت میں پیش کیا تھا اور اس پر بھرے اجلاس میں یہ فرد الزام بھی لگائی گئی تھی کہ

(۱) "یہ شخص ہرگز اس قابل نہیں کہ کوئی پبلک فنڈ اس کے سپرد کیا جائے۔

(۲) یہ شخص ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو ذمہ داری کا عہدہ دیا جائے۔ کیونکہ معمولی اختلاف رائے ہونے پر بھی یہ ہر شخص کو پہنچانے اور جھوٹے الزام لگا کر بدنام کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔"

جب مذکورہ بالا غبن کا کیس اس پر چلا تو یہ ان دنوں گروکل کانگڑی کا مکھیہ ادھشٹاتا تھا اور اس کے ساتھ ایک پارٹی تھی۔ اس وقت تو یہ کہہ کر اس نے جان بچائی تھی کہ وہ روپیہ کسی شخص کو دے رکھا ہے۔ یہ ان دنوں ہزاروں کا قرضدار بھی تھا۔ اس کا قرضہ اتارنے کے لیے اس کی کتابیں دے کر ایک آریہ کمپنی قائم ہوئی تھی۔ لیکن کئی سال کے بعد جب وہ غبن شدہ روپیہ وصول نہ ہوا اور خود اس کی پارٹی والوں کو معلوم ہو گیا کہ پندرہ ہزار سے زائد روپیہ یہ شخص خود ہی کھا گیا ہے تو اس کی پارٹی بھی اس سے منحرف ہو گئی۔ تب اس نے گھبرا کر اپنی پول ظاہر ہوتے دیکھ کر ایک شخص سے یہ صلاح کی کہ :۔

" دھرم کے کاموں میں تو روپیہ کا حساب پوچھا جاتا ہے۔ لیکن پولیٹیکل کام میں بڑی عزت ہے کوئی حساب کتاب پوچھتا ہی نہیں۔ اس لیے میں تو سنیاسی ہو کر پولیٹیکل کام شروع کروں گا اور تم بھی میرے ساتھ رہنا۔"
چنانچہ یکم بیساکھ سمت ۱۹۷۴ میں بغیر گرو کے خود بخود سر منڈا کر اور گیروے کپڑے کر کے اپنا نام شردھانند خود ہی رکھ کر شاستروں کے طریقہ کے خلاف سنیاسی بن گیا اور روپیہ کمانے کے لیے دہلی کو تجارتی شہر دیکھ کر اس نے اڈا جمایا۔ جس مذکورہ بالا شخص سے

صلاح کی تھی اس کو دھوکہ دے کر اس کا تقریباً چار ہزار روپیہ اس نے ہضم
کرایا یہ دھوکہ بازی دیکھ کر وہ شخص اس سے الگ ہو گیا۔ وہ شخص دہلی میں
ہی رہتا ہے۔ شردھانند کے انکار کرنے پر ہم پبلک کو اس کا نام بتا دیں
گے۔ سنیاسی ہونے کے بعد شردھانند نے خوب جال پھیلایا۔ گڑھوال
میں قحط پڑنے پر گڑھوال ریلیف فنڈ کھولا اس میں اس کے پاس روپیہ کس
قدر آیا تھا اور کس قدر روپیہ کس طرح خرچ ہوا تھا۔ یہ بتلاتے ہوئے گھبراتا ہے۔
کہا گیا تھا کہ باقی ۲۸ ہزار روپیہ بچایا تھا ہم نے اس کا حساب دریافت کیا
تو شردھانند نے اپنے اخبار تیج میں کمینہ گالیوں کے ساتھ اس کا جواب
ایسا مشکوک دلایا کہ وہ معہ ایڈیٹر تیج کے جعلسازی میں پھنس گیا۔ یعنی پہلے
تو ۲۸ ہزار روپیہ باقی بتلا کر اس کا حساب (بلا ثبوت) بتلا دیا۔ جب ہم
نے للکار کر پوچھا کہ شردھانند نے اپنے لڑکے اندر کو اس فنڈ سے جو پانچ
ہزار روپیہ ناجائز طریقہ سے پریس اور اخبار جاری کرنے کو دیا تھا۔ وہ کہاں ہے
تو دروغگو را حافظہ نباشد کے مصداق تیج ۱۲ مارچ میں گھبراہٹ میں لکھ ڈالا کہ۔

"وہ پانچ ہزار روپیہ پریس میں لگا دیا تھا۔ لیکن وہ اچنتی کھاتہ میں پڑا ہوا
ہے اور وہ شری مالوی جی کو دینا ہے" شری مالوی جی ان دنوں دہلی ہی میں تھے
مگر ان کو یہ روپیہ نہیں دیا گیا اور اچنتی کھاتہ میں ہی پڑا ہوا ہضم ہو جائے گا۔
لیکن اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کہ پہلے تو ۲۸ ہزار کل باقی روپیہ کا حساب تیج میں
تبلادیا گیا تھا پھر یہ پانچ ہزار کہاں سے نکل آیا اور اس طرح ۳۳ ہزار روپیہ ہوتا
ہے۔ لہٰذا صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ حساب جعلی ہے اور یہ جعلسازی دھرم
اور قانون کے خلاف ہے۔ گویا ایک فنڈ کے ایک ہی حساب میں ہم نے
شردھانند کو قومی ملزم کی حیثیت میں قوم کے سامنے کھڑا کر دیا ہے۔ ابھی وہ
اس فنڈ کے تمام خرچ کردہ اور باقی ماندہ کا مفصل حساب پیش کرے تو کئی
جگہ ایسی ہی گڑبڑ ملے گی۔ اب ہم دیگر فنڈوں کا ذکر کرتے ہیں۔

(۲) پولیٹکل کام چھوڑ کر شردھانند نے شدھی کا کام شروع کیا۔ اس سلسلہ میں بھارتیہ شدھی سبھا آگرہ سے شردھانند کا نو ہزار روپیہ لینا تیج ۱۴ مارچ میں درج ہے اور بتلایا ہے کہ صوبہ دہلی میں اس روپیہ سے شردھانند نے ایک ہزار کے قریب شدھیاں کیں اور دہلی کے ماتحت ۴۵ اپدیشک کام کرتے رہے" کیا دہلی کا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ ۴۵ اپدیشک ہوتے ہوئے دہلی میں شدھی پر ان کے کس قدر لیکچر ہوئے اور کیا ایک ہزار شدھیاں صوبہ دہلی میں کہیں ہوئی ہیں؟ کیا شردھانند اس نو ہزار روپیہ کے خرچ کی تفصیل اور ۴۵۔ اپدیشکوں کے نام مع پتہ بتلا سکتے ہیں؟

(۳) شردھانند مفصل معہ نام و پتہ کے بتلائے کہ شہر دہلی سے اس نے شدھی سبھا کے لیے کس کس سے کس قدر روپیہ بطور چندہ لیا ہے اور وہ کہاں خرچ ہُوا؟

(۴) اخبارِ تیج کے لیے بھی شُدھی سبھا سے کس قدر روپیہ لیا ہے اور کیوں لیا ہے؟ کیا تیج کے سرورق پر اپنا نام اس کی سرپرستی پر لکھوانا پبلک کو صریح دھوکہ دینا نہیں ہے؟

(۵) ہندو سنگٹھن کے لیے شردھانند نے دورہ کیا تھا۔ اس دورہ میں کس قدر روپیہ جمع کیا ہے اور وہ روپیہ کہاں ہے؟ اور ہندو سنگٹھن کا شور مچانے پر اس نے اس کا کس قدر کام کیا ہے؟

(۶) شردھانند کی دلت ادھار سبھا میں پارسال ایک اخبار کی تحریر کے مطابق سات آٹھ ہزار روپے آئے تھے جو پارسال ہی نہ معلوم کون سے اچھوتوں کے کاموں میں خرچ کئے گئے۔ نومبر ۱۹۲۳ء میں ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ اس روپیہ کے خرچ کے کاغذات شردھانند کے داماد ڈاکٹر سکھدیو کے دواخانہ میں جہاں اس سبھا کا دفتر بھی تھا۔ موجود

تھے۔ کوئی چوسات کو آکر کا غذات کو جلا گیا۔ شردھانند نے ہمارے پوچھنے پر تیج پر اس کا ذکر کرایا ہے۔ مگر دلت ادھار سبھا کے فنڈ کا مفصل حساب دینے کا نام تک نہیں لیا۔

(۷) شردھانند نے شدھی کا کام بھی اپنا مطلب پورا کر کے چھوڑ دیا اور اچھوتوں کا کام مذکورہ دلت ادھار سبھا کے نام سے شروع کر دیا اور اس خانہ ساز سبھا کے لیے ۲۵ لاکھ کی اپیل کر کے شردھانند نے پچھلے دنوں ہی کاٹھیاواڑ اور بمبئی وغیرہ کئی جگہ دورہ کیا تھا۔ لیکن اب تک اس نے ظاہر نہیں کیا کہ ان دوروں سے اس کو کس قدر روپیہ ملا۔ کیا اس سبھا کا پہلا اور اب کا سب روپیہ ہضم؟ اس سبھا کا پردھان خود شردھانند ہے اور سکرٹری اس کا داماد سکھدیو ہے گویا گھر ہی کی سبھا ہے۔ شردھانند گھر میں بیٹھ کر جب چاہتا ہے روپیہ کمانے کے لیے کوئی نہ کوئی سبھا بنا لیتا ہے۔ کبھی سبھا کے نام سے اس کو کوئی شخص روپیہ وغیرہ نہ دے۔

(۸) شردھانند نے حال ہی میں اعلان کیا ہے کہ ایک شخص نے اچھوتوں کے لیے ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار دیا ہے شردھانند یہ بتائیے کہ یہ روپیہ کس سے اور کس راہ سے اس کو ملتا ہے اور کہاں خرچ ہوتا ہے؟

(۹) گئو رکھشا سب کمیٹی کے روپیہ کا بھی مفصل حساب نہیں تبلایا اور نہ باقی ماندہ روپیہ ہندو مہا سبھا بنارس کو بھیجا گیا وہ گئو ماتا کی رکھشا کا روپیہ بھی ہضم؟

(۱۰) دہلی کے ایک جلسہ میں ۲۴ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو شردھانند نے کہا تھا کہ ایک سبھا کا ساڑھے چھ ہزار روپیہ تھا۔ کچھ مختلف کاموں میں خرچ ہو گیا اور ایک ہزار باقی ہے وہ میں ہندو سبھا دہلی کو دے دوں گا۔ ازاں بعد ۲۲ جنوری ۱۹۲۴ء کو شردھانند نے اپنے مکان ہی پر فیصلہ کیا تھا۔ جو اخباروں میں نکل چکا ہے۔ کہ ہندو سبھا کا کام دہلی سے باہر کرنے کے لیے اندر ایڈیٹر ارجن اور دیش بندھو ایڈیٹر تیج کو ، دو سو روپیہ ماہوار دے دیا جائے ،، کیا اس

طرح شردھانند گھر ہی میں وہ روپیہ بھی ہضم کرنا چاہتا ہے اور وہ ساڑھے چھ ہزار روپے کس سبھا کا تھا اور شردھانند نے کہاں پر خرچ کیا ہے۔؟

(۱۱) پنڈت لکشمی نارائن جی شاستری دہلی سور گباشی کے کئی ہزار روپیہ شردھانند نے وعدہ کرکے شدھی کے کام میں خرچ کرا دیئے تھے کہ یہ روپیہ بعد میں شدھی سبھا سے دے دیئے جائیں گے۔ لیکن بعد میں پنڈت جی کو کورا جواب دے دیا۔ پنڈت جی نے شدھی کے لگن میں وشواش گھاتی شردھانند کے کہنے میں آکر اپنی دھرم پتنی کے زیورات تک فروخت کرکے لگا دیئے تھے۔ کیا پیسے کے بھوکے شردھانند نے پنڈت جی کے وہ کئی ہزار روپیہ اپنے حساب میں دکھا کر شدھی سبھا کے حساب سے خود ہضم تو نہیں کر لیے؟ پنڈت جی یہ وشواس گھات کرکے شردھانند نے مہا پاپ اور اخلاقی جرم کیا ہے۔ شردھانند ان کو اپنا بھی پاپ چھپانے کے لیے ہمیشہ بدنام کرتا رہا ہے۔

(۱۲) شردھانند جب سنیاسی ہوا تھا تو اس کے پاس کچھ نہ تھا اور اندر پڑھتا تھا۔ وہ بھی نادار تھا، تو ارجن اور تیج اخباروں کے خرچ اور مشین پریس لگانے میں ہزاروں روپیہ وہ کہاں سے لایا ہے؟ اور اس قدر بڑے بڑے مکانوں کا کرایہ وہ کہاں سے دیتا ہے؟ کیا اس پرتیکش پرمان (ثبوت عینی) کا کوئی جواب ہے اور کیا اپنے وطن جالندھر میں اس نے مکانات تو نہیں بنوائے؟ اگر بنوائے ہیں تو وہ روپیہ کہاں سے آیا؟

(۱۳) آریہ سماج کا اتہاس لکھنے کے لیے شردھانند نے کئی سال ہوئے دورہ لگایا تھا۔ کیا اس دورہ سے بھی کچھ روپیہ جمع کیا تھا؟ اگر کیا تھا تو وہ کہاں ہے؟

(۱۴) شردھانند نے روپیہ کمانے کے لیے ایک اور اتیا چار اور شیطنت کا منظر بنا رکھا ہے جہاں عورتوں کے ذریعہ سے روپیہ پیدا کیا جاتا ہے اس کو لکھتے ہوئے ہمارا قلم رکتا ہے، کیونکہ ان حالات کے ساتھ شردھانند کے لڑکے اندر کی بیوی دویا رتی کا بھی ذکر آتا ہے۔

(۱۵) شردھانند نے روپیہ کے لالچ میں سنیاسی ہو کر پولیٹیکل کام شروع کیا تو اظہار مشیخت کرنے پر قید ہو گیا اور مشہور ہے کہ کوئی خاص معاہدہ کر کے قید سے رہا ہوا ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ رہائی کے بعد اس نے پولیٹیکل کام کو ہاتھ تک نہیں لگایا اور ہندو مسلمانوں اور ہندوؤں ہندوؤں میں بھی نا چاقی پیدا کر رہا ہے ۔ بلکہ کانگریس اور پولیٹیکل لیڈروں کی بھی مخالفت کر رہا ہے حال میں اس نے مہاتما گاندھی کے خلاف بھی سخت حملہ کیا ہے ۔ جن کی جوتیاں اٹھانے کے بھی یہ قابل نہیں ہے ۔ یہ دوسرا جے چند راٹھور رام ہند قوم اور تمام اہل ہند کے لیے مار آستین اور بغلی گھونسہ ہے ۔ اس سے اور اس کے اخباروں سے لوگوں کو بچ رہنا چاہیئے ۔ اخبار ہندے ماترم نے بھی اس کو بہت پھٹکارا ہے ۔ اس شخص نے قومی فنڈوں کا نہ معلوم کس قدر روپیہ کھایا ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ شردھانند کا کوئی کام بھی پورا نہیں ہوا ۔ کیونکہ روپیہ تو زیادہ تر یہ کھا گیا ۔ باقی صرف نمائش رہی ۔ ہم پبلک کو ہوشیار کرتے ہیں کہ کوئی شخص گیروے کپڑوں کے دھوکے میں آ کر اس کو کام کے لیے بھی روپیہ نہ دے ورنہ ایسے لوگوں کو دان دینے والا شخص بھی شاستروں کے مطابق پاپی ہوتا ہے ۔ اس نے ارجن اور تیج دونوں اخبار اسی لیے جاری کر رکھے ہیں کہ ان کے ذریعہ شور و شر پھیلا کر روپیہ پیدا کیا جائے اور اگر کوئی شخص شردھانند سے قومی فنڈوں کا حساب پوچھے تو یہ دونوں اس کو گالیاں دے کر بدنام کرنا شروع کر دیں ۔ پبلک کو ان اخباروں سے بھی ہوشیار رہنا چاہیئے ۔

نوٹ :- ہم اخبار الشیاء میں لکھ چکے ہیں کہ اگر شردھانند چند معزز لیڈروں کو تجویز کرے تو ان کے سامنے ہم یہ تمام معاملات اس کے روبرو پیش کرنے کو تیار ہیں ۔ غرض ہم نے ایک ضروری قومی خدمت ادا کرتے ہوئے اس قومی غدار کو قوم کے سامنے اس کی اصلی روپ میں کھڑا کر دیا ہے ۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ قوم اس کو اور اس کے اخباروں کو کس قسم کی قومی سزا دیتی ہے۔ شردھانند کہیں آریہ سماجی بنتا ہے اور کہیں سناتن دھرمی کہہ کر اپنا مطلب نکال لیتا ہے۔ دراصل یہ قوم کا کھتری اور آریہ سماجی ہے لیکن بکثرت آریہ سماجی بھی اس سے ان حرکات کے باعث ناراض ہیں۔ سنیاسی ہو کر بھی اپنے لڑکے بہو اور پوتوں کے ساتھ رہتا ہے۔ باہر جا کر نہ معلوم کیا کہتا ہے۔ شردھانند نے اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے اپنے اخبارات تیج اور ارجن کے ذریعہ ملک میں سخت کش مکش پیدا کر رکھی ہے۔ چند روز ہوئے ان حرکات سے تنگ آکر مہاتما گاندھی کو اعلان شائع کرنا پڑا تھا۔ تب ہی سے شردھانند اور اس کے اخبارات نے مہاتما جی پر حملہ شروع کر دیا ہے۔ اسی طرح یہ ہر دو تیج اور ارجن اخبارات اس شورش انگیزی کے علاوہ ہندو قوم میں بھی باہمی نااتفاقی کو بڑھا رہے ہیں اور قومی فنڈوں کے خورد برد کرنے اور شردھانند کی دیگر حرکات پر قوم کو کمینہ دھوکہ بازی میں لاکر پردہ ڈال رہے ہیں۔ ہر طرف شردھانند اور ان کے اخبارات پر سخت نفرت ظاہر ہو رہی ہے۔ شردھانند اگر سچا آدمی ہے تو ہمارے اس اشتہار کا جواب دینے سے کیوں گھبراتا ہے۔ ہر شخص کا قومی فرض ہے کہ وہ ٹھنڈے دماغ سے اس اشتہار کو پڑھ کر غور کرے۔"

راقم پنڈت لال ناراین ارمان دہلی (ایڈیٹر روزنامہ اخبار ایشیا دہلی)

حالانکہ الزام عائشہ کا جواب تو اسی زمانہ میں دیا گیا۔ مگر اس اشتہار کا جواب آج تک ہم نے نہیں دیکھا۔ پس الزام عائشہ کا جواب وہی ہے جو قرآن مجید میں درج ہے، اسی ضمن میں مخالف مہاشہ نے مسئلہ تعدد ازدواج پر بھی مضحکہ اڑایا ہے۔ اس کا جواب ہم اخیر رسالہ میں دیں گے۔ انشاء اللہ۔

مہاشہ مصنف کو اس بات پر بھی جلن ہے کہ حضرت صدیقہ پر جو یہ جھوٹا الزام لگایا گیا تھا۔ قرآن میں اس کی تردید کیوں ہوئی؟ چنانچہ آپ نے اس رنج کا اظہار

ان لفظوں میں کیا ہے۔

" سورہ نور میں رسول اور رسول کے خدا کا غم و غصہ اب تک مرقوم چلا آتا ہے بدزبان لوگوں کی زبانیں ان کے منہ میں گھسیڑ دی گئیں اب ضرورت ہوئی کہ حرم کو نمائش کی جاوے کیونکہ تالی دو ہاتھوں سے بجتی ہے ۔ یہ خدمت بھی اللہ میاں نے قبول کی۔ سورۂ احزاب اتری۔

" اے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرماتما سے ڈرتی ہو تو اپنے قول سے زہر پھر دو تا کہ وہ لالچ نہ کرے جس کے دل میں مرض ہے اور کہا گیا ہے قول معروف اپنے گھر دل میں رکی رہو اور نہ دکھاتی پھرو سنگار جیسے جاہلیت کے زمانہ کی عورتیں کرتی تھیں "

" آخر محمد کا اپنی بیویوں کو آپ تنبیہ و توبیخ کرنا بانکی زوجیت کے لوازمات کے خلاف تھا، اللہ میاں، میاں بیوی دونوں کا بزرگ ہے۔ اس کو بیچ میں ڈالا اور جو چاہا کہلوا لیا " (رنگیلا ص ۲۵)

پیغمبر اسلام علیہ السلام کا ہر قول و فعل اور آپ کی خانگی زندگی امت کے لیے اسوۂ حسنہ (نیک نمونہ) ہے۔ اس لیے اس خانگی واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں ہو کر صفائی کرنی ضروری تھی۔ مگر بقول آریہ سماج پرمیشور نے کیا کیا کہ وہ اپنے رشیوں کے علاوہ ایک میاں بیوی کے کاموں میں دخل دیتا ہوا سوال کرتا ہے :۔

" اے بیاہے ہوئے مرد عورتو! تم دونوں رات کو کہاں ٹھہرے تھے اور دن کہاں بسر کیا تھا، تم نے کھانا کہاں کھایا تھا۔ وغیرہ "

(رگ وید، اشٹک ادھیائے، ورگ ۱۸، منتر ۲)

کیا ہی فضول اور بے خبری کے سوال ہیں، تم دونوں رات کو کہاں رہے تھے کیا خوب! کیا کوئی حیادار مرد یا عورت رات کو رہنے کا جواب دے سکتے ہیں اسی لیئے اس سوال کا جواب وید میں مذکور نہیں، غالباً سننے والوں نے شیخ سعدی مرحوم کے مشورے پر عمل کیا ہوگا۔

جواب جاہلاں باشد خموشی

اسی ضمن میں حاشیے نے حضرت عائشہؓ کا ایک قصہ سر ولیم میور کی تاریخ سے نقل کیا ہے جو باوجود معمولی ہونے کے مخالف اس میں رنگ آمیزی سے نہیں چوکا چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"بیماری کے دوران میں محمد قبرستان کو گیا اور اپنے گننے کا یقین پختہ کر کے گھر لوٹا۔ عائشہ بھی اتفاق سے اس دن درد سر میں مبتلا تھی وہ کراہ کراہ کر کہہ رہی تھی "میرا سر! میرا سر!" محمد فوراً بول اٹھے "عائشہ! یہ لفظ مجھے کہنے چاہئیں" کم سن عورت نے سنا اور چپ ہو گئی۔ محمد کو ظرافت سوجھی، کہا "عائشہ! کیا تم پسند نہ کرو گی کہ تمہاری موت میرے جیتے جی ہو تا کہ میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے دفن کروں اور تمہاری قبر پر دعا کہوں؟" عائشہ نے ناک بھوں چڑھائی اور جواب دیا "یہ کسی اور کو سناؤ میں سمجھ گئی، میرے گھر کو مجھ سے خالی کرنے اور کسی اور حسن و جمال کی پتلی کو اس میں لا بسانے کی آرزو ہے" محمد کو جواب کی فرصت نہ تھی طاقت نہ تھی، مسکرا کر ٹال دیا۔ (حیات محمدی مصنفہ میور صاحب) (رنگیلا صفحہ ۲۶)

رنگیلے مصنف نے اس میں بھی رنگ آمیزی سے کام لیا ہے۔ اصل واقعہ بہت مختصر ہے جو مورخ ابوالفداء کے لفظوں میں ہم پیش کرتے ہیں۔

روی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہا قالت جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبی صداع وانا اقول وا راساہ ثم قال بل انا واللہ یا عائشۃ وا راساہ ثم قال ما ضرک لو مت قبلی فقمت

عائشہ صدیقہ کہتی ہیں ایک روز میرے سر میں درد تھا میں کہہ رہی تھی ہائے میرا سر! کیونکہ حضور خود بیمار تھے، پھر بطور تسلی دینے کے بیوی عائشہ کو کہا تیرا کیا نقصان ہے اگر تو میرے سامنے مر جائے اور میں تجھے کفناؤں اور جنازہ پڑھوں اور دعا کروں۔ عائشہ نے

عليك كفنتك وصليت عليك و دفنتك قالت فقلت كاني بك والله لو فعلت ذلك رجعت الى بيتي و تعزيت ببعض نسائك فتبسم صلى الله عليه وسلم

(جیسے کہ بیماری میں آدمی سڑی ہو کر بولتا ہے) بولی ہاں میں جانتی ہوں اگر میرے ساتھ بد موت ایسا ہی کریں گے تو اسی وقت میرے گھر میں آویں گے اور اپنی کسی بیوی سے دل بہلائیں گے۔ یہ سن کر حضور مسکرائے۔"

(جلد اوّل صفحہ ۱۵۱)

سر ولیم میور صاحب نے اس مقام پر خود ہی تاریخ طبری کا حوالہ دیا ہے۔ تاریخ طبری میں بھی یہ قصہ یونہی آیا ہے۔ فقط ایک لفظ کا فرق ہے۔ یعنی اس میں یوں ہے

لو فعلت ذلك رجعت الى بيتي فاعرست ببعض نسائك (جلد ۲ صہ ۱۹۱)

تاریخ ابوالفداء میں تَعَزَّیتَ اور طبری میں اَعْرَسْتَ ہے۔ دونوں کے معنی ہیں۔ "مرد کا عورت سے دل بہلانا۔"

کیسا صاف مضمون اور بیوی خاوند کا روزانہ دل بہلاوا ہے۔ اسی لیے سر میور نے بھی اسی عنوان کے ذیل میں اس واقعہ کو لکھا ہے۔ اس قسم کے واقعات کا جواب ہم تمہید میں دے چکے ہیں۔ مگر بیوی خاوند کے تعلقات اور محبت آمیز تفریحات کو وہی جانتے ہیں جو تعلق رکھتے ہوں جن کی اپنی یا ان کے گرد کی ساری زندگی اس قدرتی تعلق سے بے تعلق رہی ہو۔ وہ اس مذاق الفت کو کیا جانیں پنجابی مصرع ہے۔

سہ تو کی جانڑیں سار عشق دی اونٹ چراون ولا

سہ کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

صدیقہ کے نکاح پر سب سے اہم اکبر اعتراض ان کی خورد سالی ہے۔ چنانچہ مخالف کے چبھتے ہوئے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں۔

"محمد نے اس خورد سال لڑکی سے جو عمر میں اس کی پوتی تھی اپنی نسبت کیوں ٹھہرائی۔" صہ ۱۔

پس ساری مخالفت کی جان یہی اعتراض ہے اسی لیے ہم اسی کا جواب مفصل

دے کر اس بحث کو ختم کرتے ہیں :۔

لطیفہ حضرت خدیجہ عمر رسیدہ عورت سے شادی پر بھی مخالف معترض ہے کہ اتنی سن رسیدہ مائی سے کیوں شادی کی ؟ چنانچہ مہاشہ کے چبھتے ہوئے اس بارے میں یہ الفاظ ہیں :۔

"خدیجہ بیوہ تھی وہ بھی قریش یعنی محمد کی ہم قوم تھی۔ دو خاوند مر چکے تھے۔ آل اولاد والی تھی۔ بھلا محمد اور اس کی عمر کا کیا مقابلہ تھا" (رنگیلا ص۹)

حضرت خدیجہ رضؓ کے بعد جب جوان عائشہ صدیقہ رضؓ سے شادی کی تو اس کی خرد سالی پر معترض ہیں۔ کیا سچ ہے ؎

نہ از جور مردم رہد زشت رو نہ شاہد زنا مردم زشت گو

خیر اس ضمنی لطیفہ کے بعد ہم اصل بات پر آتے ہیں۔

میاں بیوی کی عمر میں کیا تناسب ہو؟ اس کی بابت علماء دھرم شاستر کے مختلف اقوال ہیں، ہندیوں اور آریوں کے مسلمہ پیشوا منوجی اس بارے میں ہدایت فرماتے ہیں

"تیس برس کی عمر کا لڑکا اور بارہ برس کی دختر کا دواہ کرے یا چوبیس برس کا لڑکا اور آٹھ برس کی لڑکی کا دواہ کرے" (منوسمرتی باب۹ شلوک ۹۴)

پس ایک شخص اپنے چوبیس سالہ لڑکے کی شادی کسی آٹھ سالہ لڑکی سے (جو وہ بھی ویدک دھرم کی پابند ہو) کر دے تو دھرم شاستر کے در وِدہ (مخالف) نہ ہوگی۔ حالانکہ آجکل کے مشاہدہ سے یہ امر مشکل معلوم ہوتا ہے کہ آٹھ سالہ لڑکی بالغ ہو کر چوبیس سالہ جوان کی برداشت کر سکے۔ لاچار یہ کہنا پڑے گا کہ منوجی کے زمانہ میں آٹھ برس کی لڑکی اس طرح بالغہ ہو جاتی ہوگی۔ جس طرح آجکل بارہ سال کی لڑکی بالغہ ہو جاتی ہے۔ آٹھ اور بارہ کے درمیان ہے، دس ممکن ہے۔ درمیانی زمانہ میں جو کہ اسلام کا زمانہ ہے۔ دس سالہ لڑکی بالغہ ہو جاتی ہو۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ سے خود یہ فیصلہ آتا ہے کہ لڑکی جب نو برس کی ہو جائے تو بالغہ ہے۔ کیونکہ وہ خود ایسی ہو گئی تھیں۔

دس سالہ عمر میں صدیقہ کا زفاف ہوا۔ چنانچہ مخالف نے صفحہ ۲۰ پر خود لکھا ہے۔ بحکم دھرم شاستر آٹھ سالہ لڑکی کو چوبیس سالہ خاوند ملنا جائز بلکہ افضل ہے تو دس سالہ بالغہ کو ترپن سالہ خاوند ملنے پر کیا اعتراض؟ ہاں اعتراض ہو سکتا ہے تو لڑکی کی چڑھتی طاقت اور خاوند کے بڑھتے ضعف کا ہو سکتا ہے جس سے لڑکی کی خواہش کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ ہم اس اعتراض کی قدر کرتے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ طاقت اور ناطاقتی کے لیے عمر کا کوئی قانون نہیں۔ بہت سے مرد چھوٹی عمر میں کمزور ہوتے ہیں اور بہت سے اخیر عمر تک بھی طاقتور رہتے ہیں۔ اس کی پہچان کہ اس مرد میں قوت ہے یا نہیں۔ بہت آسان اور روشن دلیل سے یوں واضح ہو سکتی ہے کہ چھوٹی عمر کی بیوی اور بڑی عمر کے خاوند میں بعد نکاح غیر معلوم وجہ سے اگر بگاڑ رہتا ہے تو سمجھو کہ بڈھا میاں کمزور ہے۔ اور اگر دونوں میں محبت اور سلوک اچھا بلکہ بہت اچھا ہے تو سمجھو کہ بڑے میاں قابل ہیں۔ یہ ایک ایسی شناخت ہے کہ ہر ایک تجربہ کار خانہ دار اس کو صحیح جانے گا۔

اب تنقیح طلب بات یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اور صدیقہ کے درمیان کامل محبت تھی یا نہیں۔ اس سے مہاشہ مخالف کو بھی انکار نہیں۔ چنانچہ اس کے مختصر الفاظ یہ ہیں:۔

"محمد کے مرتے دم تک محمد کی گھر والی دل و جان کی مالک ہمراز عائشہ تھی" ص۱۰۱

دوسری شہادت تمہارے بڑے بھائی پنڈت کالی چرن کی ہے۔ جو ہندی رسالہ "وچیتر جیون" لکھتا ہے:۔

"عائشہ بھی محمد صاحب پر عاشق تھی۔" (ص ۱۶۵)

اسی بڑے بھائی نے بحوالہ مدارج النبوۃ لکھا ہے کہ:۔

"حضور علیہ السلام کو تیس آدمیوں کے برابر طاقت تھی۔" (ص ۱۴۲)

پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رجولیت (مردانہ طاقت) کا اعتراف خود مخالفوں کو بھی ہے تو پھر ایک نو عمر لڑکی سے شادی کرنا کونسی عقلی یا نقلی دلیل کے خلاف ہے۔

چیلنج کا جواب

پنڈت کالی چرن نے اپنے رسالہ "دچیترن جیون" کے صفحہ ۴۸ پر مسلمانوں کو چیلنج دیا ہے کہ ۹ سالہ لڑکی سے ترپن سالہ بڑے کی صحبت کو طبی اصول پر صحیح دکھائیں۔ غالبًا ان کا خیال ہے کہ اتنی عمر کی لڑکی نابالغہ ہوتی ہے۔ اس لیے عائشہ صدیقہ بھی نابالغہ ہوگی۔ ہم اصولاً ان سے متفق ہیں۔ کہ نابالغہ لڑکی سے ملاپ صحیح نہیں مگر (۹-۱۰) سالہ لڑکی اگر نابالغہ ہو تو آٹھ سالہ کیسے بالغہ ہوگی۔ جس کو چوبیس سالہ نوجوان طاقتور کے حوالہ کیا جاتا ہے (دیکھو منوجی کا حوالہ مذکور) پس اگر آٹھ سالہ لڑکی کا چوبیس سالہ جوان سے ملاپ درست ہے تو دس سالہ لڑکی کا ترپن سالہ بڈھے سے ملنا کیوں نادرست ہے؟ خاص کر اس حال میں کہ دس سالہ لڑکی بالغہ ہو تو ترپن سالہ طاقتور پیر نوجوان۔

سماجیو! شیشہ کا گھر بنا کر دوسروں پر پتھر برسانا ؎

کہو جی کونسا دھرم ہے!

نوٹ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے زفاف کے متعلق بعض علماء (مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی وغیرہ) کی تحقیق یہ ہے کہ ممدوحہ کی بابت جو ۹-۱۰ سال میں حضور کے گھر میں آنے کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد خاوند سے ملاپ نہیں بلکہ محض رخصتی ہے۔ اس دعوے پر انہوں نے بہت سے حوالہ جات لغوی اور کتابی پیش کیے ہیں مطلب ان کا یہ ہے کہ حضور کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت سودہ خانہ داری کی ذمہ دار تھیں جو بہت بڑی بوڑھی اور لحیم و شحیم ہونے کی وجہ سے انتظام نہیں کر سکتی تھیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی ضروریات نامکمل رہ جاتیں اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے عائشہ کو رخصت کیا تاکہ حضور کو خانگی امور میں تکلیف نہ ہو۔ ملاپ کی عمر وہی ہے جو عمومًا بالغہ لڑکیوں کی ہوتی ہے۔ یہ مضمون ان کا مع بعض علماء کی تائیدات کے اخبار اہلحدیث نومبر، دسمبر ۱۹۲۴ء کے پرچوں میں چھپتا رہا پس اس تحقیق کے مقابلہ میں کوئی اعتراض پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔

حضرت ام المومنین زینب
رضی اللہ عنہا

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا　　　کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

مخالف نے صفحہ ۷۰ سے صفحہ ۱۳۰ تک کوئی بات قابل جواب نہیں لکھی۔ صفحہ ۱۳۱ پر حضرت زینب کے نکاح کا ذکر کیا ہے۔ مگر وہی بازاری ٹھٹھا مخول جس کا کوئی ثبوت معتبر اسلامی کتابوں سے نہیں دیا۔

اس میں شک نہیں کہ اس قصہ کے متعلق موافقین اور مخالفین نے بہت سی بے اعتدالیاں کی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس قصہ کو بے اعتدالیوں سے الگ کر کے اس کا اصل جوہر پبلک کے سامنے لائیں گو اس سے پہلے بھی ہم اپنی متعدد تصانیف میں ذکر کر چکے ہیں۔ لیکن آج اس کو خاص صورت میں پیش کرتے ہیں۔

ملک عرب میں ہندوستان کی طرح دستور تھا کہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں دوسرے کے لڑکے کو متبنیٰ (بے پالک) بنا لیتے۔ اس کو مثل اپنے صلبی بیٹے کے جانتے اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ اس متبنیٰ کی بیوی کو مثل سگی بہو کے سمجھتے۔ چونکہ یہ رسم قانون قدرت کے خلاف تھی۔ کیونکہ باپ بیٹے کا تعلق بیج اور درخت کی طرح قدرتی ہے جو متبنیٰ میں نہیں پایا جاتا۔ متبنیٰ کو مثل صلبی بیٹے کے جاننا قانون قدرت کے برخلاف صریح اور رسم قبیح ہے۔ پیغمبر اسلام جن رسومات قبیحہ کی اصلاح کرنے کو آئے تھے۔ ان میں ایک رسم یہ بھی تھی جس کو رسم متبنیٰ کہتے ہیں۔ چونکہ یہ ایک عام اور مقبول رسم تھی۔ اس لیے اس کی اصلاح بھی صرف زبانی وعظ و نصیحت سے نہیں ہو سکتی تھی بلکہ وعظ و نصیحت کے علاوہ مثال کی بھی محتاج تھی۔ چنانچہ اس کی اصلاح کے لیے دونوں طریق اختیار کیے گئے وعظ و نصیحت تو ان لفظوں میں فرما دیے۔

مَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ　　　خدا نے تمہارے لے پالکوں کو تمہارے
ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ　　　بیٹے نہیں بنایا یہ تمہارے مونہوں کی باتیں ہیں

وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ۔ اُدْعُوهُمْ لِاٰبَاۤئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَاۤءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۔ (پ ۲۱ ع ۱۷)

باتیں ہیں۔ اللہ سچ کہتا ہے اور سیدھی راہ کی ہدایت کرتا ہے۔ ان کو ان کے باپوں کے نام سے بلایا کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف ہے۔ ہاں اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو سمجھو کہ وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں پس ان کو بھائی کہا کرو، بہر حال بیٹیاں مت کہا کرو)

کیسی نیچرل تعلیم ہے کہ جس کو قدرت نے نہیں جوڑا، تم اس کو قدرتی کی طرح مت سمجھو بلکہ اس کے اصل سے اس کا ملاپ ظاہر کرنے کو ان کی اصل ولدیت سے بلایا کرو۔

یہ لفظی تعلیم اتنی بڑی رسم قبیح کی اصلاح کے لیے کافی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے خدا نے مثال قائم کرنے کے لیے اسی مصلح اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو منتخب کیا۔ جس کا نام قرآنی اصلاح میں اسوۂ حسنہ رکھا گیا ہے۔ آنحضرت کو زید بن حارثہ سے بہت محبت تھی۔ یہاں تک کہ رسم ملکی کے مطابق (منع سے پہلے) لوگ اس کو زید ولد محمد کہتے تھے۔ اس زید (آزاد غلام) کا نکاح بھی حضور نے اپنے قریبی رشتہ میں ایک بڑی شریف لڑکی زینب سے کرا دیا تھا جو حضور کے ہاتھوں میں پلی تھی۔ مگر اتفاق سے میاں بیوی میں سوء مزاجی پیدا ہوئی جس کی انتہا یہاں تک پہنچی کہ میاں نے ارادہ کر لیا کہ میں اسے چھوڑ دوں۔ چونکہ یہ عقد نکاح حضور علیہ السلام نے بڑی کوشش سے خود کرایا تھا۔ اس لیے آپ نے زید کو بہت سمجھایا، مگر وہ نہ مانا یہاں تک کہ اس نے زینب کو طلاق دے دی۔ اس سارے قصے کا ثبوت قرآن مجید کی آیات بینات میں ملتا ہے جو یہ ہیں۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ

(اے پیغمبر اس بات کو یاد کرو کہ جب تم اس شخص کو سمجھاتے تھے (زید بن حارثہ کو) جس پر اللہ نے اپنا احسان کیا (کہ اسلام کی توفیق دی)

وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ ج وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ط وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۔

(پ ۲۲ ع ۲)

اور تم بھی اس پر احسان کرتے رہے کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر (اس کو چھوڑ نہیں) اور تم اس (بات) کو اپنے دل میں چھپاتے تھے جس کو (آخر کار) اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم اس معاملے میں لوگوں سے ڈرتے تھے اور خدا اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زید اس (عورت) سے بے تعلق کر چکا (یعنی طلاق دے دی اور عدت کی مدت پوری ہو گئی) تو ہم نے تمہارے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیا تاکہ (عام) مسلمانوں کے لیے پالک جب اپنی بیبیوں سے بے تعلق ہو جائیں تو مسلمانوں کے لیے ان عورتوں کے نکاح کر لینے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے۔ اور خدا کا حکم تو ہو کر ہی رہے گا۔"

ان آیات میں ایک لفظ زَوَّجْنٰكَهَا آیا ہے۔ جو قابل غور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے مسلمان مصنفوں سے بھی اس میں کوتاہی ہوئی ہے کہ انہوں نے اس لفظ سے یہ سمجھا ہے کہ حضورؐ کا یہ نکاح زمین پر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ آسمان پر ہوا تھا اور بس۔ حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ باقاعدہ نکاح ہوا۔ زینب کا بھائی ابو احمد اس کی طرف سے ولی بن کر شریک مجلس ہوا۔ چنانچہ تاریخ ابن ہشام کے الفاظ اس واقعہ کے متعلق یہ ہیں۔

تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینب بنت جحش وزوجه ایاها اخوها ابو احمد بن جحش واصدقها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کے ساتھ نکاح کیا اور اس کے بھائی ابو احمد نے اس کی وکالت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب

مائۃ درھم۔ کو چار سو درہم مہر دیا۔

(صـ۲۲۴ بر حاشیہ زاد المعاد مصری)

پس اس شہادت واقعہ کو ملحوظ رکھ کر آیت (زوجنکھا) کے یہ معنی ہوئے کہ ہم (خدا) نے تجھے (اے نبی) اس (زینب) کے نکاح کی اجازت دی تاکہ قبیح رسم متبنیٰ کی اصلاح ہو سکے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت زینب فخر کرتی تھیں کہ میرا نکاح آسمان پر ہوا ہے۔ اس کے معنی بھی یہی ہیں۔ فخر یہ تھا کہ خاص ذکر کر کے نکاح کی اجازت بالفاظ قرآن کسی دوسری بیوی کو نہیں ہوئی۔ چنانچہ حضور نے زینب کے نکاح کا ولیمہ وغیرہ رسوم نکاح جو ادا کیں ان کا ثبوت کثرت سے روایات میں ملتا ہے۔ پس واقعہ اتنا ہے کہ اس رسم قبیح (متبنیٰ مثل اولاد ہونے) کو مٹانے کی غرض سے یہ مثال قائم کی گئی۔ چنانچہ خود قرآن مجید میں اس کی حکمت ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے۔

لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا	(نکاح کی اجازت آپ کو اس لیے دی گئی ہے کہ مسلمانوں پر ان کے لے پالکوں کی بیویوں سے نکاح میں کوئی رکاوٹ نہ ہو جب وہ لے پالک ان بیویوں سے اپنا تعلق قطع کریں۔

یعنی اگر ایسا اتفاق پیدا ہو جائے تو نکاح حرام نہ جانیں۔ اس حکمت اور مصلحت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان اپنے متبنیٰ کی بیوی سے (جب وہ طلاق دے دے) نکاح کر سکتا ہے تو کیا وہ مسلمان یہ کہنے کا مجاز ہے کہ اس عورت (لے پالک کی بیوی) سے میرا نکاح آسمان پر ہو چکا ہے (نہیں) ہرگز کوئی مسلمان اس کا حوصلہ نہیں کر سکتا نہ کوئی مفتی اس کا فتویٰ دے سکتا ہے۔ بلکہ یہی فتویٰ ہے کہ بعد انقضاء عدت کے باقاعدہ نکاح کرے۔

ہاں ہم مانتے ہیں کہ بعض تفسیروں میں یہ قصہ یوں آیا ہے کہ:۔

• حضورؐ نے زینب کو دیکھا تو اس کے حسن کی وجہ سے پیاری معلوم ہوئی بلکہ آپ کے دل میں گھر کر گئی۔ زینب نے یہ ذکر اپنے خاوند زید سے کیا تو اس نے ناپسند کیا کہ ایسی عورت کو میں اپنی بیوی بناؤں۔ جس سے آنحضرت کو محبت ہو۔"

ہمیں تسلیم ہے کہ یہ روایت بعض تفسیروں میں ہے۔ مگر ساتھ اس کے اس کی تردید بھی ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن وغیرہ میں اس روایت کے متعلق یہ الفاظ ہیں:۔

هذا اقدام عظیم من قائله وقلة معرفته بحق النبی صلی اللہ علیه وسلم وبفضله وکیف یقال، راها فاعجبته وهی بنت عمته ولم یزل یراها منذ ولدت ولا کان النساء یحتجبن منه صلی اللہ علیه وسلم وهو زوجها لزید فلا یلیق فی تنزیه النبی صلی اللہ علیه وسلم ان یامر زیداً بامساکها وهو یحب تطلیقه ایاها کما ذکر عن جماعة من المفسرین۔ (تفسیر خازن مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ۳۶۵)

ایسا کہنا (کہ آنحضرت زینب کو دیکھ کر مغلوب المحبت ہو گئے) اس قائل کی طرف سے اس کی علم معرفت کی وجہ سے نبوت پر سخت حملہ کیا ہے۔ کس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ زینب کو دیکھا اور آپ کو پسند آئی۔ حالانکہ وہ حضورؐ کی پھوپھی زاد تھی ہمیشہ حضورؐ اس کو دیکھا کرتے تھے اور عورتیں آنحضورؐ سے پردہ نہیں کرتی تھیں (پردہ کا حکم زینب کے ولیمہ کے بعد نازل ہوا تھا) حضورؐ نے خود اس کا نکاح زید سے کیا تھا پس ایسے بیہودہ الزام سے اس سے کہ حضورؐ زید کو زینب کے رکھنے کا حکم کرتے تھے اور دل میں اس کی طلاق چاہتے تھے حضورؐ کی بریت میں شک نہیں ہو سکتا۔ یہ قول بعض مفسرین سے منقول ہے۔"

پنڈت کالی چرن کی دیانت اور امانت

یہ وہی پنڈت جی ہیں جن کا ذکر شروع سے آ رہا ہے کہ انہوں نے بھی حضور علیہ السلام کی زندگی کے حالات میں ایک کتاب بزبان ہندی (ناگری)

لکھی ہے جس کا نام ہے "ودیچتر جیون" آپ نے وہی روش اختیار کی ہے جو عام طور پر آریہ سماجی مصنفوں خصوصاً تردید اسلام میں عیسائیوں کے مقلدوں کی ہے کہ بغیر دیکھے اصل کتاب کے اور بغیر سمجھے اصل مضمون کے اپنے لفظوں میں واقعات بنا کر مخلوق خدا کو دھوکہ دے کر سیچے دین اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام سے منحرف کرتے ہیں۔

آریہ سماج کی شکایت

اور کسی کو اور طرح کی ہوگی۔ ممکن ہے کسی کو شدھی میں ناجائز کاروائی کی ہو۔ یا کسی کو اعتراضات میں تلخ کلامی کی ہو لیکن ہمیں جو بڑی شکایت ہے وہ ان کی بے انصافی کی ہے۔ جو تعصب پر مبنی ہے،

خدا گواہ ہے

میں اپنی ذات سے کہتا ہوں۔ اسلام پر اعتراض سننے سے میں کبھی نہیں گھبراتا نہ ناراض ہوتا ہوں نہ شکایت کرتا ہوں۔ کیونکہ قرآن مجید کو میں ایک بڑی اعلیٰ درجہ کی مناظرہ کی کتاب پاتا ہوں جبکہ وہ بڑی فراخدلی سے مخالفوں کے اعتراض سنتا اور جواب دیتا ہے تو پھر مجھے ان کے اعتراضوں سے کیوں رنج یا ملال ہو مجھے شکایت ہے تو یہ ہے کہ مخالفین اسلام خصوصاً آریہ سماجی بتقلید سوامی عیاً تداصل مفہوم سمجھنے سے پہلے قرآنی اور حدیثی الفاظ میں اپنا مفہوم داخل کرکے اعتراض کرنے لگ جاتے ہیں۔ گزشتہ واقعات کے علاوہ ناظرین مندرجہ ذیل واقعہ سنیں۔ پنڈت کالی چرن اپنے رسالہ "ودیچتر جیون" میں حضرت ام المومنین زینبؓ کے نکاح کی بابت بحوالہ کتاب "مدارج النبوۃ" اور "روضۃ الاحباب" لکھتے ہیں۔

"محمد صاحب ایک دن زید کے گھر گئے اور بیٹے[1] (زید) کی بہو کو ایسے کپڑوں میں دیکھا کہ اس کا حسن نہ چھپ سکا، پیغمبر صاحب کی طبیعت نے جوش

---

[1] کیا ہی اچھا ہوتا کہ بجائے بیٹے کے متبنیٰ یا لے پالک لکھتے۔ مگر ایسا کہنے سے ان کا مقصود حاصل نہ ہوتا اصناد واقفوں کو فریب کیسے دیتے۔ چنانچہ آریہ سماجیوں نے ہندی میں ایک ٹریکٹ شائع کیا جس کا نام ہمارا نہیں لفظوں میں ہے یعنی "بیٹے کی بہو سے بیاہ" کس قدر غلط روی اور دروغ بیانی ہے کہ لے پالکوں کو بیٹا کہا جائے خاص کر اس قوم کے سامنے جو بیاہ بندی؟ قانون قدرت اور ہماری تعلیم مذہب ایسا کہنا جائز جانتی ہو (اف رے ظلم) (منہ)

کھایا اور مزے میں چلا اٹھے، سبحان اللہ مقلب القلوب زینب نے یہ بات سنی ان سنی کردی اور اپنے خاوند کو یہ بات بتائی (اس کے خاوند) زید نے زینب کو طلاق دے دی اور پھر حضرت نے اس سے شادی کرلی۔" (صفحہ ۱۶۶)

ہم نے ان دونوں حوالوں کی تلاش پنڈت جی کی بتائی ہوئی کتابوں میں کی تو ان میں اس قصہ کا ذکر اس طرح نہیں پایا بلکہ پنڈت جی کی پوری تردید پائی۔ چنانچہ ان کتابوں کی اصل عبارت مع ترجمہ نذر ناظرین ہے۔

پنڈت جی نے دو کتابوں (مدارج النبوہ اور روضۃ الاحباب) کا حوالہ دیا ہے ان میں سے پہلی کتاب (مدارج) میں خود روضۃ الاحباب کا حوالہ دے کر اس کی عبارت نقل کردی ہے۔ اس لیے ہم بھی روضۃ الاحباب ہی سے نقل کرتے ہیں۔ مصنف روضۃ مذکور لکھتے ہیں۔

اصل عبارت

نقلست کہ آں سرور زینب را برائے زید خواستگاری نمودہ، زینب پنداشت کہ برائے خود می خواہد آں خطبہ را قبول نمود وچوں دانست کہ خواستگاری برائے زید بودہ ابا کردہ و سرباز و، چہ زینب صاحب جمال و دختر عمۃ آنحضرت در بودے حدت و تندی بود، گفت یا رسول اللہ من زید را نمی خواہم چہ اکہ وے آزاد کردہ ایست و برادر زینب عبداللہ بن جحش دریں ابا با خواہر متفق بود۔

ترجمہ

روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے زینب کو زید کے لیے نکاح کا پیغام دیا ہے۔ زینب نے سمجھا کہ حضورؐ نے اپنے لیے پیغام دیا ہے اس لیے اس نے پیغام قبول کرلیا مگر جب اسے معلوم ہوا کہ زید کے لیے پیغام ہے تو اس نے انکار کردیا کیونکہ زینب بڑی خوبصورت اور آنحضرتؐ کی پھوپھی زاد تھی۔ اس کی طبیعت میں ذرا تیزی بھی تھی اس لیے اس نے کہا کہ حضورؐ میں آزاد شدہ غلام کے ساتھ نکاح کرنا پسند نہیں کرتی اس انکار میں زینب کا بھائی بھی شریک تھا۔

در روایتے آنکہ زینب گفت:
یا رسول اللہ بتحقیق کہ خاطرت میخواہد کہ
زید شوہر من باشد فرمود آرے گفت
چنیں ست من نافرمانی رسول خدا تمی
خواہم ایں خطبہ را قبول کردم پس حضرت
وے را بزنی بزید داد و باسم مہر دہ دینار
در سرخ و شصت درہم و مقنعہ و چادرے
و پیراہنے و پنجاہ مد گندم و ده صاع خرما
برائے زینب فرستاد و مدت یکسال
یا بیشتر زینب با زید بود۔ القصہ بعد از
تزویج ایشاں حق تعالیٰ پیغمبر خویش را اعلام
کرد کہ در علم قدیم ما چنیں مقرر شدہ کہ زینب
داخل زنان تو گردد۔ پس میان زید و زینب
ناسازگاری پیدا شد چنانچہ میان بعض
ازواج می باشد تا بغایتے کہ زید بہ تنگ
آمد و بہ نزد آں سرور رفت و از زینب شکایت
کرد و گفت یا رسول اللہ میخواہم کہ زینب
را طلاق دہم کہ با من بسیار تند خوئی می کند و
زبانش بر من دراز گشتہ حضرت فرمود زن خود
را نگاہدار و از خدا بترس فاما چوں از حق تعالیٰ
معلوم کردہ بود کہ زینب داخل زوجات وے
خواہد بود خاطر مبارکش میخواست کہ زید
وے را طلاق دہد لاکن شرم داشت کہ

ایک روایت میں ہے کہ زینب نے کہا
کہ یا رسول اللہ آپ کے من پسند ہے کہ زید میرا خاوند
ہو؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں! زینب نے کہا
جب ایسی بات ہے تو میں بھی اللہ کے رسول
کی بے فرمانی نہیں کرتی۔ لہٰذا مجھے بھی یہ نکاح
منظور ہے۔ پس حضورؐ نے زینب کو زید سے
بیاہ دیا۔ بعد نکاح کے اللہ تعالےٰ نے حضورؐ
کو بذریعہ کشف اطلاع دی کہ ہمارے
علم میں یہ بات مقدر ہے کہ زینب آپ کی
بیوی ہوگی۔ اس کے بعد واقعی طور پر میاں
بیوی (زید اور زینب) میں کچھ سوءِ مزاجی پیدا
ہو گئی۔ یہاں تک کہ زید تنگ آ گیا اور حضورؐ کی
خدمت میں حاضر ہو کر بولا۔
حضور میں ارادہ کر چکا ہوں کہ زینب
کو طلاق دے دوں، کیونکہ وہ میرے ساتھ
سخت بد سلوکی اور تند خوئی اور زبان درازی
کرتی ہے۔ حضور نے فرمایا اللہ سے ڈر لیکن
چونکہ خدا کے علم میں تھا کہ زینب حضور کی
بیویوں میں داخل ہو گی۔ اس لیے حضور
کے دل میں آیا کہ زید اس کو طلاق دیدے
لیکن اس کو طلاق کا حکم دینے سے شرم آتی
تھی کہ لوگ کہیں گے کہ اپنے لے پالک بیٹے

اورا امر کند بطلاق زینب و نیز ازاں می اندیشید کہ مردم گویند زن پسر خواندہ خود رامی خواہد و حال آنکہ در جاہلیت زن کسے را کہ بہ پسرے قبول کردہ بودند حرام می دانستند ہمچو زن پسر صلبی خود۔

نقل ست کہ چوں عدت زینب منقضی شد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید را گفت بر دو زینب را برائے من خواستگاری نماد و حکمت در تخصیص زید بآں کار تواند بود کہ مردم گماں نبرند کہ آں قصہ بر سبیل قہر واقع شدہ و بے رضائے زید معلوم شود کہ در دل زید حُبِ زینب باقی نہ بودہ بآں معنی خوشنود بود۔

کی بیوی سے شادی کرلی ہے۔ حالانکہ عرب میں بزمانہ جاہلیت سے پالک کی بیوی کو سگی بہو کی طرح جانتے تھے،

ایک روایت میں ہے:۔

زید کے طلاق دینے کے بعد جب زینب کی عدت پوری ہوگئی تو پیغمبر صاحب نے زید ہی کو زینب کے پاس اپنا پیغام نکاح دے کر بھیجا۔ خاص کر زید کو اس لیے یہ کام سپرد ہوا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ زینب کو طلاق دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جبر سے نہ ہوا تھا۔ حالانکہ زید راضی نہ تھا اور معلوم ہو جائے کہ زید کے دل میں زینب کی محبت نہ رہی تھی۔ اسی وجہ سے وہ یہ کام کرنے پر راضی نہ تھا۔

(غرض اس کے بعد بطریق مندرجہ صفحہ ۷۷ کتاب ہذا نکاح ہوگیا)

نوٹ :۔ اس عبارت میں جو یہ ذکر ہے کہ حضور دل میں چاہتے تھے کہ زید طلاق دے یہ قائل کا اپنا خیال ہے۔ ورنہ دراصل صحیح بات جو قرینہ صحیحہ سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ حضور کے دل میں یہ تھا کہ میرے ہی زور دینے سے زینب نے زید سے نکاح کرنا منظور کیا تھا۔ اب زید کے طلاق دینے سے جو تکلیف زینب کو ہوگی اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوگی۔ اس لیے اگر زید طلاق دینے سے باز نہ آیا تو اس کی تلافی میں یوں کروں گا۔ کہ زینب کے ساتھ خود نکاح کروں گا، لیکن ایسا کرنے سے ملکی رسم مانع تھی۔ قرآن مجید کی آیت وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ یہی مضمون بتا رہی ہے۔ جو ہم نے بتایا ہے۔

سماجی متروا عبارت مرقومہ کو غور سے پڑھو اور بتاؤ کہ پنڈت کالی چرن نے
جو دعویٰ کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے زینب کو باریک لباس میں دیکھا۔ جس سے
دل قابو میں نہ رہا اور زینب نے زید سے یہ واقعہ ذکر کیا وغیرہ وغیرہ اس دعوے کا
ثبوت اس عبارت منقولہ میں ہے؟ اگر ہے تو ہمیں اطلاع دو نہیں تو پنڈت جی سے
پوچھو کہ آریہ دھرم کے مطابق جھوٹ بولنے اور لکھنے والا کس جون میں جائے گا؟
اِس تم سماجی متروں سے ہم صرف یہ نویدن (عرض) کرتے ہیں کہ اپنے چوتھے[1]
اصول کو یاد کر کے اس پر عمل کرو۔ ورنہ عالم الغیب خدا (انتریامی پرماتما) کے سامنے
جوابدہی کے لیے تیار ہو جاؤ۔

عجب مزہ ہو کہ محشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لیے

تحقیقی بات یہ ہے کہ زینب کو دیکھنے یا اس کی محبت دل میں رکھنے اور چھپانے کا قصہ نہ تو حضورؐ نے بتایا ہے، نہ کسی صحابہ سے روایت آئی ہے
حالانکہ یہی وہ دو ذریعے حقیقت حال معلوم کرنے کے تھے۔ یہ روایت پچھلے لوگوں میں
سے دو شخصوں سے آئی ہے۔ جن کے نام ہیں محمد بن یحییٰ بن حبان اور ابن زید اور دونوں
نچلے طبقے کے ہیں۔ جن کو اصل حال کا علم نہیں محض اپنے دل سے ایسی بات کہہ دی
جو خود نبی سے یا کسی صحابی سے انہوں نے نہیں سنی تھی، لہٰذا بطریق اصول محدثین یہ بات
سند نہیں ہو سکتی، اسی لیے علماء محققین نے اس کی تردید بڑی شرح و بسط سے لکھی ہے،
جو تفسیر خازن سے اوپر نقل ہوئی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ متبنّٰی کی رسم جس سے اہل عرب اور اہل ہند اصلی معنی لے پالک کو بیٹا جانتے تھے۔ قانون قدرت کے صریح خلاف ہے۔ اس لیے
دنیا کے "مصلح اعظم" صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خدا نے اس کی اصلاح کرائی۔ مگر
جو لوگ اس رسم سے بھی زیادہ ناپسندیدہ رسم کے قائل بلکہ پابند ہیں ان کے خلاف طبع

---

[1] آریوں کا چوتھا اصول ہے کہ سچ کو ماننے اور جھوٹ کو چھوڑنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔

ہوئی۔

اس رسم سے بدترین رسم وہ ہے جس کا نام نیوگ ہے جس کی صورتیں دو ہیں:۔

(۱) کوئی مرد اپنے میں قوت مردانگی نہ پائے تو اپنی استری (بیوی) کو اجازت دے کہ تو کسی اور سے بچہ پیدا کرا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی مرد لاولد مر جائے تو اس کی بیوہ عورت کسی جوان سے نیوگ کرکے اولاد پیدا کرے اس اولاد کی بابت آریوں کے گرد سوامی دیانند لکھتے ہیں۔

"لڑکے ویرج داتا (نطفہ دینے والے باپ) کے نہ بیٹے کہلاتے ہیں نہ اس کا گوتر ہوتا ہے اور نہ اس کا اختیار ان لڑکوں پر رہتا ہے، بلکہ وہ سے متوفی خاوند (جس سے ان کو نطفہ کا تعلق نہیں اس) کے بیٹے کہلاتے ہیں اس کا گوتر رہتا ہے اور اسی کی جائیداد کے وارث ہوکر اسی کے گھر میں رہتے ہیں"۔

(ستیارتھ پرکاش باب ۴ نمبر ۱۱)

ماشاءاللہ کیا ہی نیچرل تعلیم ہے۔ بیج کسی کا اور پھل کسی کو!

سماجیو! یہ ویدھرم سے کہنا یہی تعلیم ہے جس کی بابت تم کہا کرتے ہو کہ جہاں سائنس جائے گا ویدک جھنڈا وہاں پہلے لہرائے گا۔

چونکہ آریہ سماجی اس قسم کی ناپسندیدہ رسم کے پابند ہیں اس لیے ان کو یہ سخت ناگوار ہوا کہ رسم متبنیٰ کی مخالفت کیوں کی گئی۔ چنانچہ رنگیلے مہاشہ نے نکاح زینبؓ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ قابل دید و شنید ہے۔ ناظرین ہماری مرقومہ بالا تقریر کو ملحوظ رکھ کر رنگیلے مہاشہ کی سنیئے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"ایک دن محمد زید کی عدم موجودگی میں اس کے گھر جا نکلا۔ چلمن کے پیچھے زینب بیٹھی تھی۔ اس نے رسول کی آواز سنی تو جلدی سے اسے اندر لانے کا اہتمام کرنے لگی۔ محمد کی نگاہ اس کے حسن بے حجاب پر پڑی دل پر بجلی سی گری منہ سے نکلا سبحان اللہ! تو کیسی خوبصورتی کی صنعت کرتا ہے زینب نے یہ لفظ سن لیے اور دل ہی دل میں پیغمبر کے دل پر قابو پا جانے

کی خوشیاں منانے لگی۔ زید سے شاید اس کی نہ بنتی تھی۔ لاکھ محمد کا متبنیٰ ہو آخر غلام تھا اور یہ خالص قریش، زید آیا تو اس سے زینب نے اس ماجرے کا ذکر کیا، محمد سے عقیدت سمجھو یا شاید اس کا دل پہلے سے ہی زینب سے کھٹا ہو، دوڑا دوڑا محمد کے پاس گیا اور اپنی بیوی کو جس پر اب محمد کا دل آ چکا تھا، طلاق دینے کی آمادگی ظاہر کی۔ محمد نے روکا اور کہا آپس میں خوشی خوشی گذارہ کرو۔ لیکن زید کو اس بیوی کا خاوند رہنے سے حاصل! جو دل دوسرے کو دے چکی ہے ؟ اس نے زینب کو طلاق دے ہی دیا۔
اب زینب محمد کے گھر ہو گئی کہ مجھے اپنی خدمت گاروں میں لیجیے۔ محمد کو پس و پیش کہ خواہ مخواہ بدنامی ہوگی۔ آخر وحی نے مشکل حل کر دی اور سورۃ اتری: "خدا نے انسانوں کو دو دل نہیں دیئے ...... نہ تمہارے گود لیے بیٹے اپنے بنا دیئے ہیں۔ جو تم کہتے ہو۔ یہ تمہارے منہ سے نکلتا ہے۔ مگر اللہ حقیقت سے واقف ہے وہ راہ راست دکھاتا ہے، تمہارے متبنوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے باپ کے نام سے مشہور ہوں اور جب تو نے ایک ایسے بندے سے جس پر اللہ کا فضل بھی ہے اور تیرا بھی فضل ہے کہا کہ تو اپنی بیوی اپنے پاس رکھ اور اللہ کا خوف کر اور تو نے اپنی چھاتی میں چھپایا، جو اللہ کی مرضی تھی کہ ظاہر ہو اور تو انسان سے ڈرا، حالانکہ اللہ زیادہ قابل ہے ڈرنے کے، اور جب زید نے طلاق کی رسم پوری کر دی، ہم نے تجھے اس سے بیاہ دیا تاکہ مومنوں کو اس کے اپنے متبنوں کی بیویوں سے شادی کرنا برا نہ ہو، بشرطیکہ ان کی طلاق کی رسم پوری ہو چکی ہو۔ اور اللہ کا حکم ضرور پورا ہوگا، محمد تم میں سے کسی کا باپ نہیں۔ وہ اللہ کا رسول ہے اور خاتم المرسلین ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے"
(سورۃ احزاب رکوع ۵)
یہ الفاظ ہم نے اس لیے نقل کیے کہ محمد کے دل کی حالت کا پتہ ناظر کو لگ

سکے۔ زینب کی زیارت کے بعد محمد نے جھوٹ موٹ کا تامل ظاہر کیا ورنہ دل میں عشق کی آگ اپنا اثر کر چکی تھی اور دم بدم بھڑک رہی تھی۔ وحی ہو گئی اور محمد نے فوراً زینب کے پاس پیغام بھیجا، کر پرماتما نے تجھے مجھ سے ملا دیا۔ پھر تو نکاح کی ضرورت نہ رہی۔ جہاں اللہ دل ملا دے وہاں قاضیوں اور نکاح خوانوں کا بیچ میں پڑنا اس پاک عقد کا مخول نہیں تو اور کیا ہے؟ عوام کی تشفی کرنا لازم تھا۔ سو کہہ دیا، اللہ نے نکاح پڑھا ہے اور جبرائیل گواہ ہیں اور ان دو شرطوں کے علاوہ نکاح کی اور شرط بھی کیا ہے؟

"رنگیلے رسول کا یہ رنگ نہایت عجیب ہے، بیٹا بیٹا نہ رہا۔ بہو بہو نہ رہی۔"
(صفحہ ۱۲ تا ۲۴)

جواب مخالف کی اس ساری تقریر کا جواب ہم پہلے ہی دے چکے ہیں ناظرین بغور دیکھیں اور اس کا اپنا اعتراف دوبارہ پڑھیں جو یہ ہے:-

"آریہ شاستروں میں خانہ داری کی میعاد پچیس برس مقرر ہے۔ یہ میعاد محمد نے نہایت پاکیزگی سے بسر کی اس لیے ہم اسے آریہ خانہ دار کہہ سکتے ہیں۔" (صفحہ ۱۵)

سماجی سجنو! انصاف کرو جو شخص پچاس برس کی عمر تک ایسا پاکیزہ اخلاق رہا ہو جس کی پاکیزگی پر تم بھی فخر کرو تو وہی (تمہارا آریہ خانہ دار) پچاس سے اوپر (۵۸) برسوں کی عمر کو پہنچے تو نفسانی جذبات سے مقہور ہو جائے؟ "ایں چہ بوالعجبی است۔"

اصل بات وہی ہے جو ہم نے بتائی ہے کہ ملک میں ایک قبیح رسم خلاف منشاء قانون قدرت جاری تھی۔ یعنی دوسرے کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانے اور کہنے کی اس رسم بد کی اصلاح کے لیے خدا نے اپنے نبی کو نمونہ بنایا چونکہ

---

[1] محض جھوٹ (مصنف)، نکاح کا پیغام دیا اور باقاعدہ نکاح ہوا۔ دیکھو صفحہ ۷۵ کتاب ہذا

[2] محض جھوٹ کہتے ہو۔ (مصنف)

آریوں میں بھی وہی بلکہ اس سے بھی قبیح تر رسم رائج ہے اس لیے وہ اس نکاح پر معترض ہوتے ہیں اور حضور علیہ السلام کی شان میں طرح طرح کی گستاخی کے الفاظ زبان اور قلم سے نکالتے ہیں۔ حالانکہ بات اصل یہ ہے کہ ؎

انھوں نے خود غرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید
وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم ان کو بتادیں گے

تنقیح طلب امر حضرت زینب کے نکاح میں بحث طلب امر صرف ایک ہے وہ یہ کہ منہ بولا بیٹا قدرتی بیٹا ہو سکتا ہے؟ اہل اسلام اس کے منکر ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ بیٹے باپ کا تعلق قدرتی ہے۔ اسی لیے بچہ باپ کا بیٹا تو کہلاتا ہے۔ مگر چچا کا بیٹا نہیں کہلاتا۔ نہ بیٹے کی طرح چچا کا وارث ہوتا ہے برخلاف اس کے آریہ اور دیگر مخالفین اسلام خلاف قانون قدرت اس کو بیٹے کی طرح جانتے ہیں۔ دل میں نہیں تو اسلام کے مقابلہ میں محض اظہار مخالفت کرنے کو ایسا کرتے ہیں۔ اس لیے اہل انصاف کے سامنے ہم اس تنقیح کو پیش کرکے دریافت کرتے ہیں۔ کہ کہیں ایسا ہوا ہے کہ مصنوعی گلاب قدرتی گلاب کی طرح فرحت بخش ہو سکے؟ اگر نہیں تو رنگیلے مہاشہ کا یہ کہنا کیسا دھوکہ بلکہ فریب ہے کہ "بیٹا بیٹا نہ رہا۔ بہو بہو نہ رہی۔"

ہاں یوں کہنا چاہیئے تھا کہ قدرتی اور بناوٹی بیٹے اور اصلی اور نقلی بہو میں فرق ہو گیا۔ کیا سچ ہے ؎

بس ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا اب مزاج ترا امتحان پر!!

بہتان نئے رنگ میں

(حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا)

رنگیلے مہاشہ کی پختہ عادت ہے کہ اپنے دلی خیالات کو واقعات کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ جو ایک دیانتدار مصنف سے بہت دور ہے ہم نے اس کے رسالہ میں کئی ایک جگہ ایسا دیکھا چنانچہ مندرجہ ذیل الفاظ اس کے اسی قسم کے ہیں۔ لکھتا ہے۔

"ہجرت کے بعد محمد کو یہودیوں سے طرح طرح کی امیدیں تھیں۔ اس نے ان سے دوستی کا رشتہ گانٹھا۔ ان کے مذہب کی تعریف کی اور اپنے مذہب کی تعریف کی، اور اپنے مذہب کی حقانیت کا سرٹیفکیٹ بھی انہیں سے حاصل کیا۔ بعد میں جب اس کے پیروؤں کی تعداد بڑھ گئی تو وہی یہود محمد کے لیے بدظنی کا باعث ہوئے۔ خار بن کر اس کی آنکھوں میں کھٹکنے لگے۔ ایک دن آیا جب ان کا محاصرہ کیا گیا اور جب وہ معافی کے طلب گار ہوئے تو فیصلہ ہُوا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ سینکڑوں یہودی آن کی آن میں تلوار کی گھاٹ اُتر گئے ایک عورت کو بھی اس کی اپنی استدعا پر قتل کیا گیا۔" (صفحہ ۷،[1])

ناظرین! اتنے بڑے دل آزار اور ہتک آمیز دل شکن دعوے کا حوالہ کسی معتبر اسلامی تاریخ سے نہیں دیا اس لیے اس کا اصل جواب وہی تھا جو ان کے گرو سوامی دیانند اور ایشیا کے استاد الاخلاق شیخ سعدی مرحوم نے لکھا ہے کہ ؎

جواب جاہلاں باشد خموشی

لیکن ہم اسی جواب پر کفایت نہیں کرتے بلکہ اس کو کھول کر بتاتے ہیں:۔

پیغمبر اسلام علیہ السلام نے یہودیوں کے مذہب کی کبھی تعریف نہیں کی۔

---

[1] ستیارتھ پرکاش باب ۱۴، نمبر ۳، صفحہ ۷۔

نہ قرآن میں نہ حدیث میں نہ ان سے کوئی خیر کی امید رکھی بلکہ قرآن مجید میں صاف صاف اعلان ہے کہ یہودی مسلمانوں کے سخت ترین دشمن ہیں۔ غور سے پڑھیئے۔

وَلَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا (پ)

(ترجمہ) تم یہود اور مشرکین کو مسلمانوں کے حق میں سخت ترین دشمن پاؤ گے۔"

یہ ہے مہاشہ کی پہلی کذب بیانی۔

ہاں آریوں کے گرو

سوامی دیانند نے ایسا کام کیا تھا کہ پہلے پہل ستیارتھ پرکاش میں ہندوؤں کو گانٹھنے کے لیے ان کی رسم شرادھ وغیرہ کو جائز بتایا ملاحظہ ہو ستیارتھ پرکاش مطبوعہ ۱۸۷۵ء اس کے بعد جب آریوں کی تعداد کچھ نظر آنے لگی تو اس رسم کی سخت ترین تردید کر دی۔ غالباً مہاشہ کو شیشہ میں اپنا چہرہ نظر آیا ہوگا۔

محاصرہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ تو یہودانِ مدینہ سے باہمی امداد کا معاہدہ ہوا تھا۔ ہجرت کے چوتھے سال مشہور جنگِ خندق کے موقع پر مشرکین مکہ نے جب مسلمانوں پر چڑھائی کی تو مدینہ کے یہودیوں کی دونوں قومیں بدعہدی کر کے ان سے مل گئیں۔ چنانچہ اس کے متعلق مورخ ابن خلدون کے الفاظ یہ ہیں:۔

کان بنو قریظة معاهدین رسول الله صلی الله علیه وسلم فاتاهم حیی فاغراهم فنقضوا العهد ومالوا مع الاحزاب۔	یہود بنی قریظہ آنحضرتؐ کے ہم عہد تھے ان کے پاس ایک قبیلہ آیا اس نے ان کو بہکایا تو انہوں نے وعدہ توڑ دیا۔ اور مخالفوں کی جماعت میں مل گئے۔

(بقیہ جزو ثانی صفحہ ۲۹)

مورخ ابو الفدا کے الفاظ یہ ہیں۔

کان بنو قریظه قد عاهدوا النبی	قبیلہ بنو قریظہ (یہود) نے حضورؐ کے ساتھ

صلی اللہ علیہ وسلم فما زال علیھم اصحابھم من الیھود حتّٰی نقضوا العھد وصاروا مع الاحزاب (ص۱۳۵)	معاہدہ کر رکھا تھا۔ پھر انہوں نے وعدہ خلافی کی اور جنگِ احزاب میں مخالف جماعتوں کے ساتھ مل گئے۔

اس غدر اور بدعہدی اور مخالفانہ جنگ کی سزا میں حضور علیہ السلام نے ان بدعہدوں کا محاصرہ کیا اور خود ان کی درخواست سے سعد بن معاذ حکم مقرر ہوئے۔ جنہوں نے فیصلہ دیا کہ ان بدعہدوں میں جو لڑنے کے قابل ہیں وہ قتل کیے جائیں اور زن و بچوں کو لونڈی غلام بنایا جائے۔ جس عورت کے قتل کا ذکر مہاشا نے کیا ہے اس کا نام بنانہ تھا جرم اس کا یہ تھا کہ اس نے خلاد بن سوید صحابی پر مکان پر سے چکی کا پاٹ (پتھر) دے مارا تھا جس سے وہ مر گیا تھا (ابن خلدون تتمہ جزو ثانی صفحہ ۲۲) اس کی خواہش پر اس کو قتل نہیں کیا بلکہ خون کے بدلہ میں قتل ہوئی۔

ہاں ریحانہ رضی اللہ عنہا کی بابت مہاشہ کو بہت رحم آیا ہے۔ مگر افسوس کہ اس کی اصلیت بھی چھپا کر۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ایک معزز خاندان کی لڑکی تھی حضورؐ کے حصہ خاص میں لونڈی ہو کر آئی تھی۔ حضورؐ نے اس کی عزت افزائی کرنے کو فرمایا میں تجھے آزاد کر کے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا میں حضورؐ کی لونڈی رہنا پسند کرتی ہوں۔ چنانچہ وہ لونڈی ہی رہی۔ (تاریخ ابن اثیر کامل جلد ۲ صفحہ ۸۹)

ناظرین! یہ ہے وہ واقعہ جو مخالف نے بالکل الٹ پلٹ کر اپنے مطلب کا بنا کر پیش کیا تاکہ سوامی دیانند کے قول کی تصدیق ہو کہ:

"مذہب کے تعصب میں پھنسے ہوئے عقل کو زائل کرنے والے متکلم کے خلاف منشاء کلام کے معنی کیا کرتے ہیں" (دیباچہ ستیارتھ پرکاش ص)

ہاں یہ خوب کہا کہ یہودیوں سے سرٹیفکیٹ لیا، مہربانی کر کے اس سرٹیفکیٹ کی عبارت تو ذرہ نقل کی ہوتی۔

سماجیو! جھوٹ بولنا، جھوٹ پھیلا کر ملک میں فساد مچانا کھوجی کونسا دھرم ہے؟
آگے چلیئے۔ مہاشہ جی لکھتے ہیں۔

"بنی مصطلق کی مہم میں دیگر مال و اسباب کے ساتھ جُوَیریہ نامی ایک
یہود عورت ہاتھ آئی اس کی قیمت اس کے فاتحوں نے زیادہ لگائی اور
محمد کے پاس خریا دلے گئی محمد نے قیمت گھٹانے کی بجائے وہ پہلی قیمت
خود ادا کردی اور اسے اپنی زوجیت میں قبول فرمالیا" (ص۴۳)

اس واقعہ کی اصلیت بھی مہاشہ نے مخفی رکھی یا اسے خود خبر نہیں۔ اصل یہ ہے کہ آج کل کے جتنے مہاشے مصنف اسلام کے برخلاف لکھتے ہیں ان کا مبلغ علم پنڈت لکھرام اور عیسائی پادریوں کی تصنیفات تواریخ محمدی، تکذیب براہین احمدیہ وغیرہ ہیں۔ اس لیے یہ بیچارے خود بھی گمراہ ہوئے ہیں اور اپنی قوم اور ناظرین کو بھی گمراہ کرتے ہیں:۔

ضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا۔

اگر اس واقعہ کی تفصیل کا ان کو علم ہوتا۔ ساتھ ہی اس کے انصاف بھی ہوتا تو حضور علیہ السّلام کی غریب پروری کی داد دیتے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ محمد وَ علیٰ آلِہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

سنیے! اصل قصہ تو یوں ہے کہ بنی مصطلق کی لڑائی میں جُوَیریہ قید ہو کر آئی جو ثابت بن قیس کے حصے میں آئی اس نے اس سے کتابت[1] کی۔ کتابت کی رقم ادا کرنے میں امداد مانگنے کو حضورؐ کی خدمت میں آئی چونکہ وہ فریق مخالف کے سپہ سالار کی بیٹی تھی۔ اس لیے حضورؐ نے فرمایا کتابت میں مدد دینے سے بھی اچھی بات تم کو بتاؤں؟ اس نے عرض کیا ارشاد۔ فرمایا میں تجھ سے نکاح کر لوں؟ اس نے بڑی خوشی سے ہاں کر لی۔ حضورؐ نے جب اس سے نکاح کیا تو مسلمان فوج میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ فوج نے کہا:۔

ہیں! بنی مصطلق سے حضورؐ نے سسرال کا رشتہ کر لیا تو ہم ان کے قیدیوں کو

---

[1] مالک غلام یا لونڈی سے اقرار کرے کہ تو اتنی رقم ادا کردے تو میں تجھے کو آزاد کردوں گا اس کو اسلامی اصطلاح میں کتابت کہتے ہیں۔ ح

لونڈی غلام بنا کر رکھیں۔؟ چنانچہ اس نکاح نبوی کا اثر جو ہوا وہ مورخ ابوالفداء کے لفظوں میں درج ہے:۔

فادی عنها رسول الله کتابتها و تزوجها فقال الناس اصهار رسول الله صلی الله علیه وسلم فاعتق بتزوجه ایاها مائة اهل بیت من بنی المصطلق فکانت عظیمة البرکت علی قومها۔

۱۱بوالفدا جلد اوّل صـ۱۳۷ ۔ ابن خلدون جلد اوّل صـ۴۳ ۔ ابن اثیر صـ۹۱، ۹۲ ۔

یعنی حضور علیہ السلام نے جُویریہ کی طرف سے اس کی رقم کتابت ادا کی اور اس سے نکاح کر لیا صحابہ نے کہا۔ اب تو یہ لوگ حضور کے سسرال بن گئے۔ پس حضورؐ کے اس نکاح کرنے سے بنی مصطلق کے ایک سو گھرانے جو مسلمانوں کے غلام بن چکے تھے آزاد ہو گئے پس یہ عورت جُویریہ کی قوم کے حق میں بڑی برکت والی ثابت ہوئی۔

ناظرین! کیا یہ قصہ حضور کی کمال مہربانی کا ثبوت ہے یا بے مروتی کا۔ آہ! شیخ سعدی مرحوم نے سچ کہا ہے۔

گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

حضرت ام المومنین صفیہؓ

(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

مہاشہ مخالف نے حضرت صفیہ کی بابت لکھا ہے۔

"خیبر بھی یہودیوں کی ایک بستی تھی اس پر محمد نے چھاپہ مارا اور فتح کر لیا اس بستی کا سردار کنعان مارا گیا اور اس کی بیوی ہاتھ آئی۔ محمد نے اس سے بھی نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ وہ راضی ہو گئی۔ اب مدینے واپس جانے تک کی تاب کسے؟ مٹی کے ڈھیر لگا کر دستر خوان بنائے گئے اور ان

پر مجبور تھی، مکھن اور دہی کی دعوت کی گئی۔ نئی دلہن کو سنوارا گیا اور محمد اسے خلوت میں لے گئے۔ عقیدت مندوں نے احتیاطاً رسول کے خیمہ کا پہرہ دیا کہ کہیں بے دین عورت اپنے خاوند کے قتل کا بدلہ نہ چکائے مگر یہ احتیاط غیر ضروری ثابت ہوئی۔" (صہ ۳۸)

اپنی معمولی عادت سے مہاشہ نے اصل واقعہ کو چھپا کر بلکہ توڑ مروڑ کر ظاہر کیا ہے کمال جرارت یہ ہے کہ حسب عادت حوالہ کسی کتاب کا نہیں دیا اسم اصلیت بتاتے ہیں اور معتبر مورخ "ابن خلدون" کے الفاظ سامنے رکھتے ہیں۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ خیبر کی جنگ میں ان کے سردار کنانہ کی بیوی صفیہ لونڈی ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں جو تقسیم ایک صحابی کے ہاتھ پہنچیں۔ رپورٹ ہوئی کہ حضور وہ بڑے سردار کی بیوی ہے۔ حضور نے اس سے اسے خرید کر آزاد فرمایا۔ جب اس کی عدت پوری ہو گئی تو اس کی مرضی سے اس کی عزت افزائی کرنے کو آپ نے نکاح کر لیا۔ مورخ ابن خلدون کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں :۔

واصیبت منہم سبایا کانت منہن عروسا عند کنانۃ بن الربیع بن ابی الحقیق فوھبہا علیہ السلام لدحیۃ ثم ابتاعہا منہ بسبعۃ اروس ووضعہا عند ام سلمۃ حتی اعتدت واسلمت ثم اعتقہا وتزوجہا	بہت سے قیدی آئے ان میں صفیہ تھی جو کنانہ کی بیوی تھی۔ پس وہ حضور نے دحیہ صحابی کو بخش دی پھر اس کو اس سے خرید لیا اور اس کو بیوی ام سلمہ کے پاس رکھا۔ یہاں تک کہ اس کی عدت پوری ہو گئی۔ پھر حضور نے اسے آزاد فرمایا اور نکاح کیا۔

(صفحہ ۴۹ تمہ جزو ثانی)

اللہ رے کس قدر عزت افزائی ہے ایک عورت کی جو حسب قانون جنگ لونڈی بن کر معمولی سپاہی کے حصے میں آئے اور بحکم بندہ و مرم شاستر اس سپاہی کے پاس رہنے پر مجبور ہو۔ اس کو بادشاہِ وقت ملکہ سردارِ دوجہاں از راہ مہربانی آزاد کر

سلہ منوسمرتی۔ باب ، فقرہ نمبر ۴۱

کے اپنے نکاح میں لائے۔ مگر "دشمن بات کرے اَن ہونی" ان کو کون سمجھائے جن کو خدا کا خوف نہ ہو۔ عقیدت مندوں کے پہرہ دینے اور خاوند کے قتل کا بدلہ لینے اور پیشانی پر زخم وغیرہ کا ثبوت مخالف کے ذمہ ہے۔ جس کی بابت امید نہیں کہ وہ اس فرض سے سبکدوش ہو سکے۔

حضرت ام المومنین ام حبیبہؓ
(رضی اللہ عنہا)

اس ضمن میں رنگیلے مہاشہ نے چلتے چلتے ام حبیبہ کے نکاح کا بھی ذکر کیا مگر حسب عادت اخفا سے کام لیا ہے۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"خیبر سے مدینہ واپس آئے۔ پھر محمد نے ابو سفیان کی لڑکی ام حبیبہ کو شرف زوجیت بخشا۔ اس نکاح کی پخت و پز حبش میں خود شاہ حبش کی طرف سے ہوئی تھی۔" (صفحہ ۳۹)

جواب:۔ اس نکاح کی حکمت تو خود لڑکی کے والد کے لفظوں میں ملتی ہے مہاشہ کی جانے بلا ۔ اسے تو اعتراض کرنے سے مطلب ہے۔

سنیئے! مخالفین کفار عرب میں ابو سفیان ایک بڑا سردار تھا۔ وہی جنگ خندق میں سردار فوج بن کر آیا تھا۔ یہ ام حبیبہ اس کی لڑکی تھی جو اپنے خاوند کے ساتھ ملک حبشہ میں گئی تھی۔ اس کا خاوند وہاں مرگیا۔ وہاں کے بادشاہ نے حضور علیہ السلام کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔ اس نکاح کی خبر سن کر ابو سفیان کے منہ سے بیساختہ نکلا۔

ذلک الفحل لا یقدع انفہ — اس بہادر جوان کو کہیں بھی ناکامی نصیب نہیں ہوتی۔"

(تاریخ کامل ابن اثیر مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۰۲)

ابو سفیان کا یہ ایک فقرہ حضور کی آئندہ سیاسی اور مذہبی کامیابیوں کے لیے پیشگوئی تھی جو بالکل پوری ہوئی۔ فللہ الحمد۔

حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
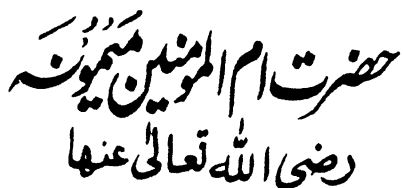
رنگیلے مہاشہ نے چلتے چلتے حضرت میمونہ کے نکاح کا بھی ذکر کیا ہے جس میں کوئی خاص بات قابل اعتراض نہیں بتائی۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"میمونہ نام سے اس کے چچا عباس کی بیوہ بہو موجود تھی۔ اس کی عمر ۲۶ سال کی تھی اور وہ رشتہ میں بھی محمد کے نزدیک کی تھی اس لیے اپنے چچا کے کہنے سننے پر محمد نے اسے اپنے حرم میں لے لیا۔ مدینہ کی مسجد میں[1] جہاں پہلے نو حجرے تھے اب دسواں تیار ہوا۔" (ص ۶۰)

ہاں معلوم ہوتا ہے کہ مہاشہ کے ذہن میں مسئلہ تعدد ازدواج کا عدم جواز بیٹھا ہوا ہے۔ اس لیے ساری کاروائی اس پر متفرع کیے جاتا ہے۔ لہٰذا ہم بھی اس مسئلہ کا اخیر میں ذکر کریں گے انشاء اللہ۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا
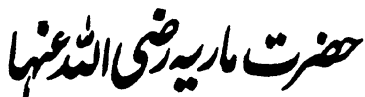
ماریہ حضور علیہ السلام کی لونڈی (باندی) تھی بیویوں کے علاوہ باندیاں رکھنے پر مہاشہ کو اعتراض ہے۔ چنانچہ اس کے چبھتے ہوئے الفاظ یہ ہیں۔

---

[1] مسجد میں نہ تھے بلکہ مسجد کے ارد گرد تھے

مدیسہ کے متعلق محمد پر ایک تہمت لگائی جاتی ہے۔ لونڈیاں رکھنا قرآن کریم کی روسے جائز ہے، محمد کے گھر میں لونڈیاں تھیں۔ ان پر نہ محمد کی بیویوں نے اعتراض کیا نہ محمد کے پیروؤں نے۔" (ص۱۴۱)

جواب بے شک آپ نے سچ کہا قرآن کی روسے جائز اس زمانہ کے قانون ملکی کے روسے جائز۔ ہاں ایک لفظ آپ چھوڑ گئے وہ یہ کہ دھرم شاستر کی روسے بھی جائز ہے۔ اعتبار نہ ہو تو سنو، ویدوں کے استاد اول ویدک دھرم کے مسلمہ رشی منوجی فرماتے ہیں۔

"رتھ گھوڑا، چارپایہ عورت وغیرہ ان سب کو جو فتح کرے وہی اس کا مالک ہوتا ہے۔" (باب ۷، فقرہ ۹۶)

غلاموں کو یہاں تک بے حس کیا گیا ہے کہ ان کی کمائی پر بھی ان کو اختیار نہیں سنو!

"اپنی عورت کے لڑکے و غلام یہ سب جس دولت کو جمع کریں وہ سب دولت ان کے مالک کی ہے۔ یہ اس کے حقدار مالک کی زندگی میں نہیں۔"

اور سنو!

"راجہ برہمن، غلام اور شودر سے دولت لے لیوے اور اس میں کچھ بچار نہ کرے کیونکہ وہ دولت کچھ اس کی ملکیت نہیں، وہ بے زر ہے۔"

(منو سمرتی باب ۸ فقرہ نمبر ۴۱۶-۴۱۷)

پس جو کام قرآن کی روسے جو کام دھرم شاستر کی روسے جائز ہو اس پر اعتراض کرنا ناستک (دہریہ) کا کام ہے کسی آستک کا نہیں۔

مہاشہ کی ناواقفی ہم تو ابتدا سے کہتے آئے ہیں کہ رنگیلا رسالہ کی مصنف پارٹی اسلامی تاریخ سے براہ راست واقف نہیں۔ ان کے معلومات مخالفان اسلام کی کتابیں تواریخ محمدی، تکذیب براہین، تاریخ ولیم میور وغیرہ ہے

بھی ناقص۔ اس کا ثبوت خود انہی کے قلم سے یہاں ہم دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔
"ایک دفعہ کہیں سے تین لونڈیاں آئیں تو محمد نے وہ ایک ایک کر کے اپنے
خسروں ابوبکر اور عثمان اور اپنے داماد علی کو بطور پیش کش عطا کیں۔
آج دنیا اسے شرمناک ڈھٹائی کہے گی کہ اپنے داماد اور خسروں کے
ساتھ یہ یاران مجلس کا سا سلوک"! (صفحہ ۱۴)
اس صفحہ پر اور اس کے علاوہ صفحہ ۴۴ پر بھی حضرت عثمان کو حضور کے خسروں
میں شمار کیا ہے، حالانکہ تاریخ اسلام میں حضرت عثمان حضور کے داماد تو ہیں خسر
نہیں۔
سماجیو! انصاف سے کہنا اپنے چوتھے اصول کو سامنے رکھ کر کہنا اس دعوے
کے ثبوت میں (کہ حضور نے ابوبکر اور عثمان کو لونڈیاں دیں) تمہارے رنگیلے مہاشہ
نے کوئی حوالہ دیا؟
بتاؤ۔ اگر تم کسی مجلس کی گفتگو میں یہ پیش کرو اور مسلمان تم سے ثبوت
مانگیں اور تم نہ دکھا سکو تو تمہیں کتنی ندامت ہوگی۔
کوئی مہاشہ بغرض حصول اولاد بحکم سوامی جی اپنی استری کا کسی جوان آدمی سے
نیوگ کرائے وہ بے چاری حسب تعلیم سوامی جی سال دو سال تک اس جوان
کی خدمت میں رہے مگر پرماتما کے حکم سے اولاد نہ ہو تو وہ بے چارہ اور بیچاری
کس قدر شرمندہ ہوں گے۔
سچ کہنا! تم مخالف کے سامنے حوالہ پیش نہ کر سکنے پر اس سے زیادہ شرمند
ہوگے یا نہیں؟ پھر کیوں ایسے مصنفوں کو تم لوگ مجبور نہیں کرتے کہ ہر دعوے کا ثبوت
دیا کریں۔ کیا تم لوگوں نے استاد الاخلاق شیخ سعدی کا قول نہیں سنا۔ ؎

نہ گفتہ ندارد کسے باتو کار   ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

لو ہم مانے لیتے ہیں کہ حضور نے اپنے خسروں کو لونڈیاں دیں تو کیا جرم کیا
تم سمجھتے ہو کہ لونڈیوں سے صرف بیوی کا کام لیا جاتا ہے۔ حالانکہ لونڈی گھر کی خادمہ

بھی ہوتی ہے۔ اچھا سنو! منوجی نے جو کہا کہ لوٹ میں عورت کو جو لوٹے راجا اسی کو دے دے۔ بھلا لوٹنے والا کوئی راجہ کا خسر ہو یا داماد بلکہ باپ بھی ہو تو اسے بھی عورت دے دے۔ ہے رام! اتنا پاپ؟

آریہ سجنو! ؎

سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

رنگیلے مصنف کا نیا رنگ

قصۂ تحریم

آگے چلئے! رنگیلے مہاشہ نے نیا رنگ نکالا ہے۔ لکھتا ہے:۔

"حدیثوں کی روایت یہ ہے کہ ایک دن جب حفصہ کی باری تھی حفصہ محمد سے چھٹی لے کر میکے چلی گئی اور اس کے گھر کو محمدؐ نے ماریہ سے بسا لیا اتنے میں حفصہ آگئی وہ دیکھ کر جل بھن گئی کہ اس کی آرامگاہ آج ایک غیر منکوحہ لونڈی کی خوابگاہ بنی ہوئی ہے۔ اس غصہ کو محمد تاڑ گیا۔ اور کہا بھاگوان! اگر ماریہ کے اس ماجرے کا ذکر کسی سے نہ کرو تو میں نے یہ عہد کیا کہ آئندہ ماریہ سے صحبت نہ ہو گی اور میرے بعد خلافت کا حق تمہارے باپ کا ہو گا۔" (صہ ۴۳)

بیشک قرآن مجید میں یہ آیت ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ ۔

اے نبی جو خدا نے تمہارے لیے حلال کیا ہے تم اس کو حرام کیوں کرتے ہو کیا بیویوں کو راضی کرنے کے لیے ایسا کرتے ہو۔

اس آیت کے متعلق متعدد روایات آئی ہیں کہ کونسی چیز حضور نے اپنے

حق میں حرام کی تھی، جس کا ذکر اس آیت میں بصورت ناپسندیدگی آیا ہے ایک روایت ہے کہ ماریہ لونڈی کو حرام کر دیا تھا۔ دوسری اور بھی ہے مگر زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ حضور شہد کا شربت پیا کرتے تھے، کسی نے غلط کہہ دیا کہ آپ کے منہ سے موم کی بو آتی ہے۔ آپ کو بدبو سے سخت نفرت تھی۔ آپ نے فرمایا میں شہد کبھی نہ پیوں گا اس میں شک نہیں کہ ایسا کہنے والی بیویاں تھیں۔ یہ روایت صحیح تر ہے۔ چنانچہ بڑے پایہ کے محدث مفسر حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں :۔

والصحیح ان ذالك كان فی تحریمه العسل كما قال البخاری عند هٰذا الاية الخ۔

یعنی صحیح بات یہ ہے کہ آیت شہد نوشی پر اتری ہے۔ جیسا کہ امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ بس اصل جواب تو آ گیا ہے۔ رہا یہ سوال کہ جن بیویوں نے ایسی غلط گوئی کی ان کی بابت کیا سزا، جواب یہ ہے کہ وہی سزا جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔

اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا۔

(تمہارے دل بگڑ چکے ہیں توبہ کرو گی تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا بیشک جو کرے وہ بھرے۔)

مہاشہ کا اس سے آگے کا نوٹ اس سے بھی زیادہ فرسیدہ ہے۔ جو ای قصہ ماریہ کے واقعہ کو بنا قرار دے کر لکھا ہے :۔

"بات تھی ٹل گئی۔ لیکن حفصہ سے اپنے پر قابو نہ رکھا جا سکا۔ اس نے اس واقعہ کا عائشہ سے ذکر کیا۔ وہ غیور عورت عائشہ کے زیر کردگی محمد کی بیویوں کی ایک کونسل ہوئی۔ سب نے محمد سے منہ پھیر لیا، محمد پیغمبر، مدینہ کا مطلق العنان بادشاہ! یہ بیویاں کون ہیں جو اس سے رکھائی کا برتاؤ کریں۔ فوراً وحی نازل ہوئی اور ان نافرمان بیویوں کا بائیکاٹ کر دیا۔ مہینہ بھر ماریہ کے ڈیرہ لگا دیا، کہ بگاڑلو، جو بگاڑ سکو۔ ادھر ابوبکر ناراض عثمان ناراض کہ لونڈی کی خاطر ہماری بیٹیوں سے تعلق چھوڑ رکھا ہے۔

مہینہ بھر کی جدائی کے بعد محمد کا دل بھی ملائم ہُوا، کہا اللہ نے سفارش کی ہے حفصہ کا قصور معاف اور اس کے ساتھ اس کی سب بہنوں کا قصور معاف!" (صـ ۴۴)

جواب | آہ! سوامی دیانند ہوتے تو مہاشہ کی داد دیتے کہ سارے ہندوستان میں ہماری تعلیم سے یہی ایک لائق چیلہ نکلا ہے جو ہمارے مشن (اسلام سے نفرت دلانا) کو پورا کرنے والا ہے۔

سنیئے! اصل قصہ یوں نہیں، جو تم نے لکھا ہے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ادھر واقعہ شہد ہوا۔ اتفاق سے انہی دنوں حضور علیہ السلام کے پیر میں چوٹ آئی جس سے آپ چلنے پھرنے سے رُک گئے۔ اس لیے آپ نے ایک مہینہ کے لیے علیحدہ مکان میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ مگر آپ کی گوشہ نشینی سے عام میں مشہور ہو گیا کہ حضور نے بیویوں کو طلاق دے دی۔ اس پر حضرت عمرؓ آئے اور دریافت کیا تو معلوم ہُوا کہ اصل وجہ حضور کی علالت ہے۔ دیگر ہیچ، تم نے تو آریوں کو گمراہ کرنے کی ٹھان رکھی ہے۔ اس لیے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیتے۔ مگر ہم تو حوالہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ پس سنو!

حضرتؐ کے خسر حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میرے پاس میرا ایک دوست آیا اس نے کہا۔

طلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسائہ۔ (بخاری جلد اول صـ ۳۳۴) یعنی حضور نے عورتوں کو طلاق دے دی ہے۔

یہ سُن کر میں گھبرایا ہوا الغرض تحقیق حال نکلا تو حضور کو چوبارے میں گوشہ نشین پایا۔ کیونکہ آپ کے پاؤں میں ضرب آئی تھی جس کے متعلق صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔

اٰلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسائہ وکانت انفکت رجلہ۔ یعنی حضور نے بیویوں سے علیحدگی کی۔ آپؐ کے پیر کو زخم آیا تھا پس آپؐ چوبارے

فاقام فی مشربة لہٗ تسعا و عشرین (صحیح بخاری جلد دوم ص۹۲) میں انتیس روز علیحدہ ٹھہرے رہے۔

سماجی مترو! اپنے چوتھے اصول پر تم کو اگر پختہ یقین ہے تو رنگیلے مہاشہ اور اس کی کمپنی سے اس دعوے کا ثبوت ہم کو لے کے دو کہ:۔

"ادھر ابوبکر ناراض، عمر ناراض، عثمانؓ ناراض کہ ایک لونڈی کی خاطر ہماری بیٹیوں کو چھوڑ رکھا ہے۔" (رنگیلا ص۲۳)

اگر وہ اس کا ثبوت نہ دے سکے اور ہم کہتے ہیں کہ یقیناً نہ دے گا تو کیا پھر تمہارا فرض نہیں؟ کہ جس طرح تم نے گاندھی جی کے خلاف رزدلیوشنوں کی بھرمار کی ہے ایسے مضرت رساں، سماج کو بدنام کرنے والے، تمہاری جیبوں سے پیسے نکالنے والے مصنفوں کے برخلاف بھی رزدلیوشن پاس کر دو، یاد رکھو کہ اگر ایسا نہ کرو گے، تو تمہاری ساری سماج بدنام ہو جائے گی۔ جیسی کہ ہو رہی ہے۔ کیوں؟ ؎

چوں از قومے یکے بے دانشی کرد نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را
نمی بینی کہ گاوے در علف زار
بیالائد ہمہ گاوان دہ را

تعدد ازواج

محمد بیوپول والا

مرحبا سید مکی مدنی العربی دل وجان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

رنگیلے مہاشہ نے آخر اپنا دلی غبار اخیر کتاب میں نکالا کہ سارا غم وغصہ اس کو حضور کے تعدد ازداج پر ہے یعنی اس نے جو نتیجہ نکالا اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے

؎ پہلے بھی صفحہ ۱۰ پر حضرت عثمان کو حضور کا خسر لکھا ہے۔ م

کہ اس کو نہ بوڑھی بیوی کا رنج ہے، نہ جوان کا صدمہ، بلکہ رنج ہے تو تعدد ازدواج کا ہے۔ اسی لیے وہ اپنا دلی غبار ان لفظوں میں نکالتا ہے:۔

"محمد کو ایسا کونسا نام دوں جس سے محمد کی زندگی کا فوٹو آنکھوں میں اتر آئے، پچاس سال کا تھا، جب خدیجہ نے انتقال کیا۔ باسٹھ سال کا تھا جب خود انتقال کیا۔ اس بارہ سال کے عرصے میں دس عورتیں کیں یعنی سوا سال میں ایک۔ ان حالات میں اگر میں اپنے رنگیلے رسول کو بیویوں والا کہہ دوں تو کیا موزوں نہ ہوگا، بیویوں والا کہا اور محمد کو پا لیا محمد کے دل کو پالیا۔ محمد کی روح کو پالیا" (صفحہ ۴۸، ۴۹، ۵۱)

تعدد ازدواج کے مسئلہ کی فلاسفی ہم تفسیر ثنائی جلد دوم میں زیر آیت مثنیٰ وثلاث مفصل لکھ چکے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قدرتی طور پر مرد اور عورت میں ایک نسبت ہے کہ مرد عورت کو استعمال کرنے والا اور عورت مستعملہ چیز ہے۔ اس کے سائنٹفک (فلسفیانہ) دلائل اسی جگہ مذکور ہیں۔ پس جس مستعمل کو جتنی اور جیسی مستعملہ چیزوں کی ضرورت ہو، حسب طاقت اتنی رکھ سکتا ہے لیکن آریہ مہاشوں کو سائنٹیفک دلائل سے کیا کام، ان کو ان کے دھرم شاستر سے مسئلہ تعدد ازدواج کا حل ہوجانا چاہیئے۔

پس وہ سنیں آریوں اور ہندوؤں میں منوجی ایک ایسے بزرگ مذہبی پیشوا گزرے ہیں، جن کی خدمت میں اس زمانہ کے بڑے بڑے رشیوں نے حاضر ہوکر درخواست کی تھی۔

"اے بھگوان ان سب ورنوں (ذاتوں) اور ورن سنکروں کا دھرم ٹھیک ٹھیک ہم سے کہیے کیونکہ
اے پربھوا خیال سے باہر اور لامحدود اور قدیم وید میں بیان کیے ہوئے جو بہت طرح کے کرم ہیں ان کے اصل مطلب کے جاننے والے ایک آپ ہی ہیں (منوسمرتی باب اوّل فقرہ ۱، ۲، ۳)

لہ مہاشہ کی تاریخی واقفی ہے کہ ترپسٹھ سال کو باسٹھ سال میں ختم کرتا ہے

آریوں میں منوسمرتی کی اتنی قدر ہے کہ سوامی دیانند کی ستیارتھ پرکاش یاسی کے حوالجات سے بھری پڑی ہے۔اگر منوسمرتی کے حوالجات کو الگ کر دیا جائے تو ستیارتھ کے اوراق بمشکل اتنے رہ جائیں گے کہ چند پتنگیں بن سکیں۔

منوجی کی سُنو! یہی منو بھگوان تعدادازواج کو ایسی خوبی سے حل فرماتے ہیں کہ باید و شاید، راجہ کی بابت ہدایت ہے کہ :۔

"(راجہ) کھانا کھا کر عورتوں کے ساتھ محل میں بہار کرے۔" (باب فقرہ ۲۲۱)

اور سنو!

"اور سنو! ایک کی دو زوجہ ہیں اور چھوٹی زوجہ سے لڑکا پہلے پیدا ہُوا اور بڑی زوجہ سے پیچھے ہوا پس اس مقام پر تقسیم حصہ کس طرح کرنا چاہیئے۔اشلوک آئندہ میں لکھیں گے۔" (باب۹ فقرہ ۲۲)

اور سنو!

"پہلی عورت موجود ہو اور بھکشا سے دولت فراہم کر کے اس روپیہ سے دوسری شادی کرے تو اس کو صرف جماع کا لطف (سماجیو! سنتے ہو) ملتا ہے اور اولاد اسی کی ہے، جس نے دولت دی" (باب۳ فقرہ ۵۰)

ان سب سے واضح سنو!

"اگر ایک آدمی کی چار پانچ عورتیں ہوں اور ان میں سے ایک صاحبِ اولاد ہو تو باقی بھی صاحب اولاد ہوتی ہیں۔یہ منوجی کا حکم ہے۔"

(باب۹ فقرہ ۱۸۳)

مہاشے سجنو! دھرم شاستر کو ماننے والا اس حکم کے ماتحت تعدد ازدواج پر اگر عمل کرے تو اس کو بھی وہی نصیحت کرو گے جو رنگیلے مہاشہ نے کی ہے جس کے تلخ ترین الفاظ یہ ہیں :۔

"بہت بیویاں کرنے والو دیکھو پیغمبروں کی زندگیاں مرقع عبرت ہیں۔ اگر اس عظمت کے لوگ اپنی غلط کاریوں کے بُرے انجاموں سے نہیں

بچے تو تم اپنی کرتوت کے کڑوے پھلوں سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے
ہو سو شریمتی کا گھر برباد ہوا، محمد صاحب کا دین برباد ہوا کیوں! اسی لیے کہ بڈھے ہو
کر نوخیزوں سے شادیاں کیں؟ (رنگیلا صفحہ ۲۴)

کس قدر خبط الحواسی ہے اللہ کی شان! ایسے لوگ بھی مصنف بن جاتے
ہیں جو موضوعِ بیان بھی نہیں جانتے۔ شروع بیان میں خرابی کی وجہ تعدد ازواج
کو بتایا ہے۔ اخیر میں نوخیز سے شادی کو سبب بنایا ہے۔ پہلے بیان کے مطابق اگر
بوڑھی عورتیں بھی متعدد ہوتیں تو مضر تھا۔ آخری بیان کے مطابق ایک نوخیز بیوی بھی مضر ہے
کیا اتنی سی عبارت میں اتنا بڑا اصولی اختلاف کسی صحیح دماغ کا کام ہے۔؟

خیر یہ تو ہے مصنف کی دماغی قابلیت کا ذکر اب ہم اس کے دعوے کی پڑتال
کرتے ہیں "محمد کا دین برباد ہوا" دستور ہے، انسان دل کو جو خواہش رکھتا ہے رات کو
وہی نظر آتی ہے۔ چاہے واقعہ میں نہ ہو۔ چونکہ یہ لوگ اسلام کی دل سے بربادی چاہتے
ہیں۔ اس لیے اس کی بربادی کے خواب ان کو آتے ہیں، وہی ان کے منہ اور قلم سے
نکل جاتے ہیں۔ ورنہ دین محمدی اگر نکاح نوخیز (عائشہ) سے برباد ہوا ہوتا تو ہندوستان
ہاں آریہ ورت، ہاں ہاں پوتر بھارت بھومی مسلمانوں کے قدم کیوں چومتی اور سچ
تو یہ ہے کہ تمہارے سوامی کو ستیارتھ پرکاش جیسی زبردست کتاب اسلام کے
برخلاف لکھنے کی ضرورت ہوئی؟ اور تم بھی آج یہ دل شکن رسالہ کیوں لکھتے؟ کوئی تم سے
یہ نہ کہتا کہ بھلے آدمی! اسلام تو پیغمبر اسلام کے بعد متصل برباد ہو چکا ہے پھر تم یہ لغو حرکت
کیوں کرتے ہو؟ کیا سچ ہے ؎

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

لہ عرب سے چل کر پوتر بھومی آریہ ورت (ہند) میں چلا آیا۔ یہی تو بربادی کا
ثبوت ہے۔ ۱۲

مہاشہ جی کی تاریخ دانی اسی صفحہ پر آپ لکھتے ہیں :-
"محمد کی ، اسی خانہ جنگی نے محمد کی وفات کے بعد اسلام کی تاریخ کو متواتر خونریزیوں کی تاریخ بنا دیا " (صـ ۲۴)
کیا کہتے ہیں ؟ خلافت کی بابت لڑائی نہ پہلی خلافت میں ہوئی ۔ نہ دوسری میں نہ تیسری میں ، ہاں چوتھی خلافت میں ہوئی ، سو اس کی وجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کا قتل تھا نہ کہ خانگی نزاع ۔

آخر آپ سوامی دیانند کے چیلے ہیں ، جنہوں نے ستیارتھ پرکاش طبع اول ۱۸۷۵ء میں لکھ مارا تھا کہ :-
" محمود غزنوی ہندوستان کو لوٹ کر مکہ گیا تھا ۔" (صـ ۲۲۱)
حالانکہ سلطان محمود نہ مکہ گیا نہ مدینہ گیا ۔ اسی لیے آریوں نے سوامی جی کی اس غلطی کی اصلاح کرنے کو طبع اول کے بعد کی جملہ طبعات میں یہ فقرہ ہی اڑا دیا بہت اچھا کیا ۔

دوسری مثال سوامی جی کی تاریخ دانی یہ ہے کہ آپ نے امریکہ کے متلاشی کولمبس کو جو اٹلی کا باشندہ تھا ، انگلستان کا باشندہ لکھا چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں :-
" انگلستان کے کولمبس وغیرہ لوگ جب تک امریکہ میں نہیں گئے تھے ۔"
(ستیارتھ پرکاش اردو طبع اول صـ ۲۶۹)

آریوں کی ہوشیاری آریہ سماجی چونکہ تعلیم یافتہ ہیں ان کو معلوم ہو گیا کہ سوامی جی نے سنے سنائے ایسا لکھ دیا اس لیے بعد کے طبع میں اس کی اصلاح یوں کی ، بجائے انگلستان خاص کے ایک وسیع لفظ لکھ دیا ۔ یعنی یوں لکھا کہ :-
" یورپ کے کولمبس وغیرہ لوگ جب تک امریکہ نہیں گئے تھے ۔"
(ستیارتھ طبع چہارم صفحہ ۲۳۵)

ہمارا رنگیلا مصنف بھی آخر سوامی جی کا چیلہ ہے۔ انہوں نے سلطان محمود کو مکہ شریف پہنچایا تو مہاشہ مذکور نے خلافت پر خانگی نزاع کا اثر پہنچایا۔ (چشم بد دور) سچ ہے۔ ؎

لطف پر لطف ہے اللہ میں میرے یار کے یار
مار حطی سے گدھ لکھتا ہے ہوز سے ہمار

تعدد ازدواج کے متعلق ہماری حیرانی کی کوئی حد نہیں رہتی جب ہم ان ویدک کے دھرم کے شیدائیوں سے مخالفت سنتے ہیں۔ حالانکہ ان کی مسلمہ کتب دھرم شاستر میں تعدد ازدواج کی اجازت ملتی ہے۔ جس کے ثبوت میں ہم کئی ایک حوالجات اوپر لکھ چکے ہیں۔

آہ! کیسا کل یگ ہے کہ ہندو رکشک کہلا کر دھرم شاستر کی ایسی ہتک کرتے ہیں کہ گویا بھکشک بھی نہ کرے۔ منو جی مہاراج تو چار پانچ عورتوں کا ذکر بھی بطور مثال بتاتے ہیں۔ ورنہ ان کے ہاں تو کوئی تعداد مخصوص نہیں۔ مگر آریہ مہاشے ہیں کہ تعدد ازدواج سے ڈراتے ہیں۔ آہ! ان حمایتیوں کی حمایت سے ہندو دھرم ایسا دکھیا ہو رہا ہے کہ اس کی زبان حال سے یہ شعر نکل رہا ہے۔ ؎

دوست ہی دشمن جان ہو گیا اپنا حافظ
نوشدارو نے کیا اثر سم پیدا

ہماری دریا دلی

مہاشے سجنو! ہماری دریا دلی دیکھو کہ ہم تمہارے اصل دعوے کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہمارے حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑے مرد تھے۔ مردانگی کے کام کرتے تھے۔ چونکہ آپ کامل مرد تھے اس لیے واقعی بیویوں والے تھے۔ خود قرآن مجید نہ صرف حضور کو بیویوں والا بلکہ کل انبیا کو بیویوں والا کہتا ہے۔ غور سے سنو!

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً (پ ۱۳)	ہم (خدا) نے (اے نبی) تم سے پہلے کئی رسول بھیجے اور ان کو بیویاں اور اولادیں دیں

اس لیے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بنی نوع انسان کے لیے نمونہ بن کر آئے ہیں۔ وہ اگر بیویاں نہ کریں تو ساری امت نہ کرے گی جس سے نسل انسانی کا انقطاع ہو جائے گا۔ پس بیویوں والا ہونا نبی کے لیے ضروری ہے۔ ورنہ دنیا کی تباہی و بربادی ہے۔ ؎

حسن یوسف دم عیسٰی ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

دیانند ویدوں والا

رنگیلے مہاشہ نے اپنے گرو سوامی دیانند کو ایک معزز لقب دیا ہے یعنی ویدوں والا۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"رشی دیانند کا نام پنجاب میں ویدوں والا پڑنے لگا ہے۔ رشی کا کام وید، رشی کا پیغام وید، رشی کی حیات، رشی کی وفات، وید کی اشاعت کا وسیلہ ہوئی۔ رشی کا سانس سانس وید کی قرارت تھی۔ ویدوں والا من بھاونا نام ہے۔ یہ نام لیا اور رشی کے دل کو پالیا۔ رشی کی روح کو بھانپ لیا۔" (صفحہ ۴۸)

آریہ مصنف اپنے عقیدے کے بیان کرنے کا حق رکھتا ہے۔ مگر پبلک رائے کی نیابت کرنے کا اس کو کوئی حق نہیں۔ آج تک کسی کتاب یا کسی اخبار یا کسی اشتہار میں سوامی دیانند کو ویدوں والا نہیں لکھا گیا۔ ویدوں کے منکرین (دیو سماجی اور سکھوں) کی طرف سے جو دیانند جی کے حق میں رائیں شائع ہوئی ہیں ان کا تو ہم نے دانستہ ذکر نہیں کیا۔ مگر ویدوں کے ماننے والے سناتن دھرم کی رائے کا اظہار کرنے سے تو ہم رک نہیں سکتے۔ کیونکہ مہاشہ جی نے ان سب (ویدوں کے ماننے

والوں) کی طرف سے نیابت کی ہے۔ اس لیے آپ کو دکھانا ہے کہ آپ کی یہ ذاتی رائے ہے۔ قومی اور ملکی نہیں۔ ہندؤں کی طرف سے جو دیانند جی کے متعلق تحریرات نکلتی رہی ہیں۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ سوامی دیانند جی ویدوں بلکہ ویدوں کے علاوہ دیگر مذہبی کتابوں کے حوالجات بھی غلط دیا کرتے تھے۔ چنانچہ سناتن دھرم پرچارک امرتسر کی طرف سے ٹریکٹوں کے سلسلہ میں ٹریکٹ نمبر ۱۲ سے ہم دس شہادتیں نقل کرتے ہیں۔ جن سے معلوم ہو سکے گا کہ رنگیلے مہاشہ کا دیانند جی کو ویدوں والا لکھنا اس مصرع کے مصداق ہے ؎

پیراں نمی پرند مریداں ہمی پرانند

سماجی دوستو! سناتن دھرمی پنڈتوں کا مضمون سنو اور غور سے پڑھو!

(۱) صفحہ ۲۹۴ سطر ۱۵[ا]۔

سوال:۔ آغاز دنیا میں ایک یا کئی انسان پیدا کیے تھے۔ یا کیا؟

جواب:۔ کئی، کیونکہ جن جیووں کے کرم ایشوری سرشٹی میں پیدا ہونے کے تھے۔ ان کی پیدائش شروع دنیا میں پرمیشور نے کی۔

منشیا رشی اسچہ یے تو منشیا اجایمنت:۔ یہ یجر وید میں لکھا ہے۔"

(ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۹۴ سطر ۱۱) یہ پرمان جس پر ہم نے لکیر کھینچ دی ہے۔ سوامی صاحب لکھتے ہیں کہ

یہ یجر وید میں لکھا ہے، ہمارا دعویٰ ہے کہ یجر وید تو کیا چاروں ویدوں میں نہیں پس یا تو سماجی یہ پرمان یجر وید میں دکھاویں ورنہ سوامی صاحب کو دروغگو ٹھہرادیں۔ پس آریہ سماجیوں کو یہ پرمان یا شہادت یجر وید میں دکھلانی ہوگی۔ ورنہ سوامی دیانند کا وید منتر کے لفظوں کو الٹ پلٹ کر ایک منتر بنا لینا یہ کونسا رشی پن ہے! مہرشی منو جی لکھتے ہیں کہ وید کی نندا کرنے والا ناستک ہے لیکن جو وید کے نام سے بناوٹی منتر بنانا

[ا] یہ صفحات اردو ستیارتھ پرکاش طبع اول کے ہیں۔

ہے، وہ کون ہے، دانا سمجھ لیویں۔

(۲) صفحہ ۲۹۵ سطر ۲۰۔

"سوال۔ انسانوں کی پیدائش کس مقام پر ہوئی؟

جواب۔ تری وشٹپ میں، جس کو تبت کہتے ہیں۔

سوامی صاحب کا یہ لکھنا کہ انسان تر لبشٹ یعنی تبت میں پیدا ہوئے غلط ہے۔ آریہ سماجیوں کا یہ خیال ہے کہ جو بات وید میں لکھی گئی ہو گی وہ مانیہ یوگیہ (قابل قبول) ہے پس ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ سرشٹی کا تبت میں پیدا ہونا وید تو درکنار کسی ہماری رشی نے بھی نہیں لکھا، رشی تو درکنار بلکہ اس کے متعلق کوئی پرانا اتہاس یا ثبوت جو آپت پرشوں نے کہا ہو۔ سماجیوں کے پاس نہیں ہے۔ دوسری بات جو سوامی صاحب نے لکھی ہے۔ وہ اور بھی ذرا سوچنے کے لائق ہے۔ اس سے علاوہ دروغ بیانی کی پنڈت دیانند کی کوشش کے متعلق بھی ناواقفیت معلوم ہوتی ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ کل سنسکرت کی کوشوں کو پڑتال کر لو تو تر لبپشٹ کے معنی تبت کوش سے نہ نکلیں گے۔

(۳) پرہلاد کی کتھا بھاگوت سے لکھتے ہوئے صفحہ ۲۴۳ سطر ۸ میں سوامی صاحب یوں لکھتے ہیں۔

"تب اس نے ایک لوہے کا ستون آگ میں گرم کر کے اس سے کہا کہ اگر تیرا معبود سچا ہے تو اس کے پکڑنے سے نہ جلے گا۔ پرہلاد پکڑنے لگا دل میں شک ہوا کہ جلنے سے بچوں گا یا نہیں۔

نارائن نے اس ستون پر چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی قطار چلا دی"

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ شریمد بھاگوت میں یہ ہرگز نہیں کہ پرہلاد کو شک ہوا اور نارائن نے چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی قطار چلا دی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سوامی دیانند نے ہرگز شریمد بھاگوت کو نہیں پڑھا۔

(۴) صفحہ ۲۴۷ سطر ۲۶۔ پوتنا اور اکرور کے بارہ میں دیکھو۔

(۱) رہتیں باپو بگین (۲) جگام گو کلنگ پرتی۔
(ناگری بار دوم سوم) ستیارتھ پرکاش میں یہ ایک شلوک ہے۔ اردو
کی دوسری دفعہ میں حوالہ کوئی نہیں ہے، تیسری دفعہ اردو میں الگ الگ
ٹکڑہ کرکے حوالہ دیا ہے۔ لیکن ہمارا دعویٰ صرف یہ ہے کہ ناگری بار دوم
سوم میں جو شلوک ہے بھاگوت کے نام سے (رہتیں باپو بگین جگام
گو کلنگ پرتی) پر لکھا ہے۔ یہ شلوک بھاگوت میں نہیں ہے۔

(۵) صفحہ ۴۰۴ سطر ۲۔ وید پڑھت برہما مرے چاروں وید کہانی بنت
کی مہا وید نہ جانے برہم گیانی آپ پرمیشور۔"
گرو نانک جی کو ویدوں کا دشمن قرار دیتے ہوئے مندرجہ "تک" ان کی
طرف سے لکھی ہے۔ لیکن ہمارا دعویٰ ہے کہ گورو نانک جی نے یہ ہرگز نہیں
کہا اور نہ گرو گرنتھ صاحب یا کسی معتبر گرنتھ میں یہ تک ہے۔

(۶) صفحہ ۴۰۱ سطر ۱۰ "ودھانی چہ رتنانی دو کتے سو پاوریت" طرح طرح
کے جواہرات سونا وغیرہ دولت دوکت یعنی سنیاسیوں کو دلویں۔
منوادھیائے ۱۱ ؎ یہ ٹکڑا جو منوجی کے نام سے لکھا ہے۔ ہرگز منوسمرتی
میں نہیں ہے چونکہ سوامی صاحب سنیاسی تھے اور ویدک دھرم کے
انسار سنیاسی کو دولت وغیرہ رتن رکھنا منع ہے اس لیے سوامی جی نے
اپنا مطلب سیدھا کرنے کے لیے مہرشی منوجی کے نام سے یہ شلوک
لکھا۔ لیکن ہمارا دعویٰ ہے کہ اس طرح یہ شلوک منوسمرتی میں ہرگز نہیں ہے،

(۷) پنچ مہا یگ بدھی میں سوامی صاحب گائتری منتر کی نسبت لکھتے ہیں
کہ یہ منتر اسی پرکار چاروں ویدوں میں ہے۔ لیکن ہمارا دعویٰ ہے کہ منتر اس
پرکار اتھروید میں نہیں ہے۔

(۸) صفحہ ۲۵۴ سطر ۲ تا
سوال :۔ آریہ ورت کی حد کہاں تک ہے ؟

جواب۔ منوسمرتی کے دو شلوک دیئے ہیں۔ جس سے آریہ ورت کا حدود اربعہ بتلایا گیا ہے۔ افسوس اس کے دوسرے اشلوک میں سوامی جی نے غلط تھوڑے سے کام لیا ہے۔ ناظرین ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں منو سمرتی نکالیے اور سوامی جی کی پستک بھی نکالیے۔

پہلا شلوک (۲۲) جو آریہ ورت کی وسعت دکھلانے والا ہے، وہ حرف بحرف صحیح اور جیوں کا تیوں درست ہے۔ لیکن اگلا شلوک جو لکھا ہے اس میں آخری حصہ شلوک کا فرضی بنا دیا ہے۔ منوسمرتی میں لفظ برہما دیش تھا۔ جس کی جگہ سوامی دیانند نے آریہ ورتم بنا کر اس شلوک کو ہی آریہ ورت کی وسعت دکھلانے والا بنا دیا ہے۔ جس سے سوامی جی کی دھرم سچائی اور ایمانداری کا پورا ثبوت ہے۔"

(۹) صفحہ ۵۵ سطر ۹ "پنچ ولسنے تیو درشے پومان ناری تو شوڈشے۔" یہ سشرت کے شریر استھان کا لکھا ہے۔" ہمارا دعویٰ ہے کہ شلوک سشرت ستھان میں نہیں ہے۔

(۱۰) صفحہ ۲۲۷ سطر ۱۵ "جب ویدمت کو قائم کر چکے اور علم پھیلانے کا خیال کرتے ہی تھے کہ اتنے میں دو اجنبی باہر سے برائے نام ویدمت کے حامی اور اندر سے پکے جینی یعنی کپٹ منی تھے۔ شنکراچاریہ ان پر نہایت خوش تھے۔ ان دونوں نے موقع پا کر شنکراچاریہ کو ایسی زہریلی چیز کھلا دی کہ ان کی بھوک کم ہو گئی۔ بعد ازاں جسم میں پھوڑے ہو کر چھ ماہ کے اندر مر گئے۔"

یہ بات کسی معتبر تاریخ میں نہیں ہے۔ کسی شنکر دگیجے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دو جینیوں نے سوامی شنکراچاریہ کو زہریلی چیز کھلا دی۔ آریہ سماج کو چاہیئے کہ ایسی شنکر دگیجے کا پتہ لگا دیں، ورنہ سوامی دیانند جی کو دروغ گو جان کر اس سے کنارہ کریں۔

(سناتن دھرمی ٹریکٹ نمبر ۲۱۳ موسومہ، سوامی دیانندجی کی دس فاش غلطیاں" مصنفہ مہنت گوکل داس مینجر سناتن دھرم پرچارک منڈل امرتسر۔ (مطبوعہ سناتن دھرم پریس امرتسر)

یہ تو ہندوؤں کی رائے ہے جس کے ہم ذمہ دار نہیں۔ اب ہم ویدوں کے متعلق سوامی دیانند کا برتاؤ اپنی ذمہ داری پر سناتے ہیں۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ مہاشہ کی رائے کہاں تک صحیح ہے۔

ہندوؤں کا قدیم الایام سے یہ عقیدہ چلا آیا ہے کہ ویدوں کے دو حصے ہیں (۱) سنگتا (۲) برہمن۔ مگر سوامی دیانند نے برہمن حصے کو ویدوں سے الگ کر کے غیر الہامی قرار دیا۔ دیکھو رگ وید بھومکا مصنفہ دیانند جی، بحث "اصطلاح وید" تو کیا ہندوؤں کے عقیدے کے موافق ویدوں کو نصف کرنے والا بھی ویدوں والا کہلا سکتا ہے ؟ ہاں "ویدوں والا" لفظ سے اگر یہ مراد ہو کہ ویدوں کو خراب کرنیوالا تو ہندوؤں کو بھی غالباً اس لقب پر اعتراض نہ ہوگا۔

سوامی دیانند مجرد قاطع نسل اور مغلوب الغضب تھے

یہ تو ہندوؤں اور آریوں کی اندرونی کیفیت ہے۔ اب ہم اپنی تحقیق سے ایک نمونہ سوامی دیانندجی کے متعلق بتاتے ہیں۔ سوامی جی کی زندگی کا امتیازی طرہ یہ ہے کہ آپ ساری عمر مجرد رہے۔ مذہبی رہنما اپنے اتباع کے لیے نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر سارے آریہ ان کی طرح مجرد رہیں تو ان کی نسل کا خاتمہ معلوم ہے۔ اس لیے ہمارے عنوان کا ایک جزو بالاتفاق ثابت ہے کہ سوامی دیانند قاطع نسل تھے۔ کون نہیں جانتا کہ مذہبی پیشوا وہی ہو سکتا ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو۔ خاص مذہبی اور اخلاقی امور میں اس وقت اس کی رائے ڈگمگائے نہیں۔ یہی وقت اس کے امتحان کا ہے۔ انہی معنی میں کسی اہلِ دل نے خوب کہا ہے۔ ؎

دریائے فراواں نشود تیرہ بسنگ عارف کہ برنجد تنک آب ست ہنوز

یعنی جس طرح جوش مارنے والا دریا معمولی کنکریاں مارنے سے میلا نہیں ہوتا اسی طرح عارف خدا غیظ و غضب میں آلودہ نہیں ہوتا۔ اگر ہو تو سمجھو کہ چھوٹے پانی میں ہے۔

مہاشے سجنو! آؤ اس پاک اصول کے ماتحت ہم سوامی دیانند کی زندگی کا جائزہ لیں۔ سوامی جی کی سوانح عمری کلاں بڑی سوچ بچار کر لکھی گئی ہے تاہم اس میں سوامی جی کی زندگی کے دو حصے ہم کو نظر آتے ہیں۔ پہلا حصہ قبل تعلیم جوانی کا ہے اس کی بابت تو کچھ کہنے کی حاجت ہی نہیں۔ کونسی اخلاقی غلطی ہے جو اس عمر میں سوامی جی سے سرزد نہیں ہوئی۔ غلط بیانی، بدصحبتی، یہاں تک کہ منشیات بھنگ وغیرہ کا بکثرت استعمال۔ چنانچہ وہ آپ کہتے ہیں کہ:-

"اس جگہ مجھے بڑا عیب لگ گیا، یعنی مجھ میں بھنگ کے استعمال کرنے کی عادت ہو گئی۔" (سوانح کلاں ص۱۹)

رنگیلے مہاشہ نے ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبل از نبوت پچیس سالہ زندگی پر بھی اعتراض کیے ہیں۔ جن کی بنا خود اس کے دل و دماغ کا اختراع ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۲۸-۲۹ کتاب ہذا مگر ہم اس کے گرو کی پہلی زندگی کی تنقید نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ تو بقول خود سوامی اور آریہ اس قابل نہیں کہ تنقید ہو بلکہ اس مصرعہ کی مصداق ہے ؎

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

اس لیے ہم اس موضوع کے نیچے ان کی زندگی کا وہ حصہ لیتے ہیں جو ان کی ریفارمری اور اشاعت دھرم کا زمانہ ہے۔

ہمارا عنوان بیان ہے کہ سوامی جی مغلوب الغضب یعنی غصہ والے تھے۔ اس دعویٰ کا ثبوت سنیے، سوامی جی کی سوانح عمری کلاں میں لکھا ہے:-

"دوسرے دن سوامی جی نے مورتی پوجا کھنڈن پر لیکچر دیا۔ اسی میں محمود غزنوی کا آنا اور اس کے حملوں سے دیش کے دھن کی ہانی کا مفصل برنن

کیا اور مندروں میں عورتوں کے جانے اور وہاں کی دُردشا کا بیان فرمایا
جس میں کسی شخص نے مکان کی چھت پر جانب مغرب سے یہ سوال کیا کہ
آپ نے فرمایا کہ استری کو اُچت ہے کہ ایک ہی بار اپنے پتی کے
پاس جائے یعنی وبھچار نہ کرے مگر جس کا پتی طوائف (کنچری) کے پاس
جائے اس کی عورت کیا کرے۔ انہوں نے کہا کہ اس کی عورت بھی ایک
اور مضبوط سا آدمی رکھ لے۔" (صہ ۲۵۵)

آریہ سجنو! سوامی جی کا وچن (قول) مذہبی حکم ہے؟ یا غصہ کا اظہار کیا کوئی
مذہبی پیشوا، سچا ریفارمر، ہادیٔ قوم، برگزیدۂ خدا، غصہ میں دھرم کے خلاف ایسا
اخلاق سوز حکم دے سکتا ہے۔ علاوہ اس کے ہم نہیں جان سکتے کہ سوامی جی کو غصہ
کس بات کا آیا۔ سوال بالکل معمولی ہے اس سے سخت ترین اور پیچیدہ سوال ہم
واعظوں اور مولویوں پر ہوتے رہتے ہیں۔ مگر سوامی جی کے غضب ناک مزاج کی
ایک مثال ہم پہلے کتاب ہذا کے صفحہ ۲۹ پر بتا آئے ہیں۔ دوسری یہ ہے۔ تعجب
ہے سوامی جی کس قدر غضب کے پرکالے ہیں۔

بخدا ہم حیران ہیں کہ ایک پاکدامن عورت کو محض اس کے خاوند کی بیوقوفی سے
مضبوط سا آدمی رکھنے کی اجازت بلکہ حکم دیتے ہیں۔ واللہ
دنیا کی ریفارم تاریخ میں ہمیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ کیا سچ ہے۔

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے پہلے تو یہ دستور نہ تھا

پس ان حوالجات کی بنا پر اگر سوامی دیانند جی کو قاطع نسل اور غصہ والا کہا
جائے، تو بے جا نہ ہوگا غصہ والا کہا اور سوامی جی کو پایا ؎

اس نازنین کو دیکھنا جو دست نہ چھیڑنا
گر روٹھ سی گیا تو منایا نہ جائے گا

مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات

اے غفور رحیم خدا! تو جانتا ہے کہ میرا ایمان ہے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کی ازواج مطہرات سب تیرے نزدیک صادق بندے ہیں اس لیے میں نے تیرے حکم۔

كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

کے ماتحت تیری ہی مدد سے ان کی طرف سے مدافعت کی ہے پس تو اے میرے دل کے حال کو جاننے والے خدا اس خدمت کے بدلے میں مجھے اور جن لوگوں نے اس میں میری کسی قسم کی مدد کی ہے۔ ہم سب کو ان صادقوں کے ساتھ ملا دے۔

توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین

من نگویم کہ طاعتم بپذیر
قلم عفو بر گناہم کش

امیدوار مغفرت خادم دین اللہ

ابوالوفا ثناء اللہ، کفاہ اللہ، امرتسری

مسلمان بھائیوں سے روئے سخن

شجرِ اسلام

کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء
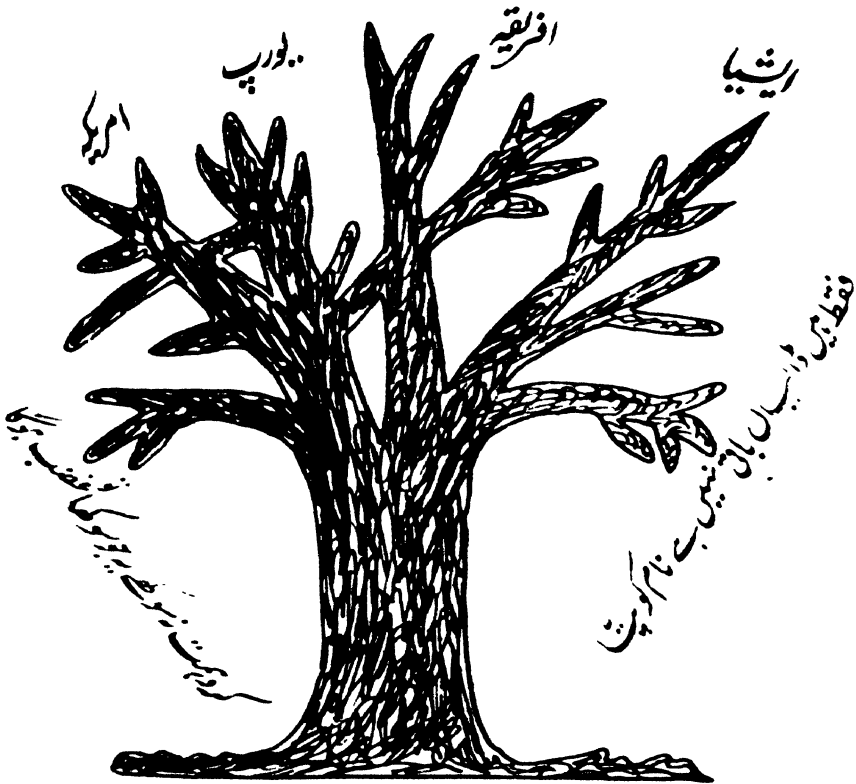
(شجرہ طیبہ ہذا کے متعلق آئندہ صفحہ پر نظم ملاحظہ ہو۔)

نظم متعلقہ شجرۂ طیبہ

وہ اسلامی شجر جس کو پیمبر نے لگایا تھا — وہ اسلامی شجر جس کو صحابہ نے بڑھایا تھا
وہ اسلامی شجر سارے جہاں پر جس کا سایا تھا — رہا باقی نہ جس کے فیض سے اپنا پرایا تھا

اب اس کی ڈالیوں میں ایک بھی باقی نہیں پتا
کرو ہمت نہ سوکھے یہ جو سوکھا غضب ہوگا

ہے اس کی بیخ مکہ میں ہیں شاخیں تا بلوچستاں — جزائر اور ہند و چین و جاوا اور ترکستان
ممالک روس و ایران و شام اور مصر و انگلستاں — بچا ہو کوئی ملک اس سے بتائے تو کوئی انساں

وہی تو ہے یہ اک عالم نے جس سے فیض پایا تھا
قریب المرگ ہے جس نے کہ مردوں کو جلایا تھا

رہے طائف میں حضرت تھک گئے چلنے سے عملی — احد میں دانت ٹوٹے اور دہن سے خون تھا جاری
کبھی فاقہ میں پتھر پیٹ پر باندھے بناچاری — اگایا اس کو حضرت نے اٹھا کر سختیاں ساری

سکھائے دیتی ہے اب امت خیر الامم دیکھو!
اسی کے وارثوں سے اس پہ یہ کیسا ستم دیکھو!

نہیں یہ وہ شجر جس نے کہ پانی سے غذا پائی — صحابہ نے پلایا خون اس نے پرورش پائی!
بنے مالی ائمہ اس لیے اس پر بہار آئی — ہوئے ہم ناخلف ایسے کہ اس کی نسل مرجھائی

نہ وہ زینت رہی اس کی نہ وہ اس کا رہا سایا
ہماری غفلتوں نے اس کی پلٹی اس قدر کایا

ہے اس نخل مقدس کو نکموں سے پڑا پالا — اور ان کی غفلتوں سے ہے خزاں نا س کر ڈالا
کرو ہمت کہ ہو سبز پھر وہ پھول اور پھل والا — جو ہوگی متفق کوشش کھلے گا پھر گل لالہ

ہزاروں ایسی دنیا میں بہاریں پھر کے آئی ہیں
کھلی ہیں اور کھل کر پھر گھٹائیں گھر کے آئی ہیں

لگائیں باغ باغیچے الم اس کا نہیں کچھ بھی   اڑائیں خوب گلچھرے الم اس کا نہیں کچھ بھی
ہوں لاکھ اسلام پر حملے الم اس کا نہیں کچھ بھی   کہاں تک یہ شتر غمزے الم اس کا نہیں کچھ بھی

نہ لیں گے ہم خبر اس کی رہیں گے کب تلک غافل
پشیمانی ہو آخر میں چرا کارے کند عاقل

بتاؤ تو سہی للہ اس کا کون والی ہے!   نظر جس سمت کرتے ہیں ادھر میدان خالی ہے
توجہ اس طرف سے ہم نے اب بالکل اٹھالی ہے   گئے ہم بھول چال اپنی وہ عادت ہم نے ڈالی ہے

ہمیں تو اب فقط باہم جدال و جنگ آتی ہے
ہمارے نام سے مذہب کو عار و ننگ آتی ہے

کہیں فرمان باری بھی کسی صورت سے ٹلتے ہیں   نہ جب تک قوم خود بدلے نہیں وہ بھی بدلتے ہیں
بھلا ان بھینوں سے کام اچھے نکلتے ہیں!   نہیں چھوٹا بڑا کہنے میں اپنی راہ چلتے ہیں

نہیں ہے نیک و بد پر کچھ نظر ہم کو یہ غفلت ہے
سمجھتے ہی نہیں سمجھانے سے کیسی بری مت ہے

نہ اخلاق پیمبر ہم میں نہ شرم و حیا باقی   آداب شریعت ہے نہ زہد و اتقار باقی
بتائیں کیا ہم میں کیا گیا اور کیا رہا باقی   چھنیں سب نعمتیں اک اک جھگڑا رہا باقی

جدھر دیکھو عناد و بغض کی تلوار چلتی ہے
ذرا سی بات پر دن بھر میں سو سو بار چلتی ہے

ہے اپنوں سے عداوت اور غیروں سے محبت ہے   جو صدمہ غیر سے پہنچے نہیں اس کی شکایت ہے
جو اپنا بات بھی کہہ دے قیامت پر قیامت ہے   بھلا وہ قوم کیا سنبھلے کہ جس کی ایسی حالت ہے

ہم اپنی آبرو اپنے ہی ہاتھوں کھوتے جاتے ہیں
اسی باعث سے سب اپنے پرائے ہوتے جاتے ہیں

کیا محسوس کچھ تم نے بھی یوں یہ اپنی حالت ہے   خصوصاً بھائی کو بھائی سے اپنے کیوں عداوت ہے
میں کہتا ہوں کہ یہ سب جہالت کی بدولت ہے   یقین جانو مسلمانو! کہ ایمان بڑھنی دولت ہے

یہ دولت ہاتھ آجائے تو سب کچھ ہاتھ آجائے
جسے تم کھو کے بیٹھے وہ سب کچھ ہاتھ آجائے

یہ سنت ملتجی ہے اسے بزرگو! قوم کا خادم
کرو دل کر متن ایسے کہ محشر میں نہ ہوں نادم
رہے دنیا میں بھی عزت اور عقبیٰ بھی رہے قائم
کرو وہ کوششیں جن کے نتیجے نیک ہوں دائم

شجر اسلام کا پھولے پھلے شاداب ہو جائے
یہ سب ادبار قومی اک خیال و خواب ہو جائے

خادم اہل اللہ

ابوالوفا ثناء اللہ کفا اللہ، امرت سر